خلافتِ راشدہ

از

شیخ المحدثین حضرۃ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

ناشر

المکتبۃ الاشرفیۃ
جامعہ اشرفیہ ○ فیروز پور روڈ ○ لاہور

قال تعالیٰ

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم
فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم الآیات

اما بعد

ایں انتخاب لاجواب ولب لباب ازالۃ الخفاء مصنفہ عارف باللہ
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کہ در تحقیق مسئلہ خلافت راشدہ
بر بسیط ارض نظیرے نہ دارد مسمیٰ بہ

خلافت راشدہ

از

شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی

ناشر

المکتبۃ الاشرفیۃ

جامعہ اشرفیہ ، فیروزپور روڈ ، لاہور

فہرست مندرجات خلافت راشدہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۱۔ دیباچہ	۴	۱۵۔ نبی اور خلیفۂ راشد کی تعریف	۳۴
۲۔ معنی خلافت	۶	۱۶۔ خلفاء راشدین کی خلافت کا ثبوت	۳۵
۳۔ خلافت عامہ وخاصہ	۶	۱۷۔ طریقۂ معرفت خلیفۂ راشد	۳۵
۴۔ خلافت راشدہ کی شرائط	۸	۱۸۔ اثبات خلافت بدلائل عقلیہ	۴۵
۵۔ بعثت رسل کی حقیقت	۹	۱۹۔ ایک سوال اور اسکا جواب	۴۷
۶۔ لوازم نبوت	۱۰	۲۰۔ محالات پنجگانہ	۵۲
۷۔ خواص نبوت کی عجیب مثال	۱۱	۲۱۔ حقیقت فضل	۶۰
۸۔ خلافت الٰہیہ اور خلافت نبوت	۱۴	۲۲۔ معیار افضلیت	۶۲
۹۔ خلافت نبوت یا خلافت راشدہ	۱۶	۲۳۔ اثبات افضلیت شیخین	۶۹
۱۰۔ خلافت کا ظاہر اور باطن	۱۷	۲۴۔ اثبات افضلیت صدیق	۷۹
۱۱۔ آنحضرت کے خلیفہ کی صفات	۲۰	۲۵۔ صدیق کی تعریف	۸۰
۱۲۔ خلافت راشدہ کی مثال	۲۸	۲۶۔ حضرت عمر کی افضلیت	۸۴
۱۳۔ خلفاء راشدین کے اقوال حجت ہیں	۳۰	۲۷۔ حضرت عثمان کی افضلیت	۸۷
۱۴۔ خلیفہ اور بادشاہ میں فرق	۳۳	۲۸۔ اجماع اہل حل وعقد کی حقیقت	۹۵

۲۹۔ حضرت ذی النورین پر اعتراضات اور انکے جوابات ۹۸

۳۰۔ حضرت ذی النورین کی سیاست اور حاسدوں کی نکتہ چینی ۱۰۷

۳۱۔ فتنہ کی ابتدار ۱۰۷

۳۲۔ حضرت عثمان کو فتنہ کا علم تھا ۱۱۱

۳۳۔ فتنہ کی صورت اور صفت کی تعیین ۱۱۳

۳۴۔ ذی النورین کو حضور کی وصیت ۱۱۴

۳۵۔ صحابہ کو آں حضرت کی ہدایت ۱۱۵

۳۶۔ حضرت علی کی افضلیت ۱۴۵

۳۷۔ عدم انتظام خلافت علی مرتضیٰ ۱۴۸

۳۸۔ شیخین اور ختنین کی خلافت کا فرق ۱۵۹

۳۹۔ نظم در مدح خلفا و صحابہ ۱۶۶

۴۰۔ حضرت علی سے اختلاف کی ابتدار کیسے ہوئی؟ ۱۶۷

۴۱۔ حضرت علی و حضرت معاویہ کے اختلاف کی حقیقت ۱۶۹

۴۲۔ جنگ جمل ۱۷۳

۴۳۔ جنگ صفین اور واقعہ تحکیم ۱۷۸

۴۴۔ مشاجرات صحابہ ۱۸۳

۴۵۔ حضرت طلحہ و حضرت زبیر ۱۹۱

۴۶۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ۱۹۳

۴۷۔ شرف صحبت ۱۹۵

۴۸۔ سوالات اور محالات ۱۹۷

۴۹۔ امامت ۲۰۶

۵۰۔ خلافت راشدہ کی مدت ۲۰۷

۵۱۔ امام حسن نے کیوں صلح فرمائی ۲۰۸

۵۲۔ باغی پر لعنت جائز نہیں ۲۱۱

۵۳۔ امام حسین کا یزید سے مقابلہ ۲۱۲

۵۴۔ یزید پر لعنت کا حکم ۲۱۴

— تمت —

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الاولین والاٰخرین خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین لاسیما خلفاءہ الراشدین وعلیٰ من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین

اما بعد : علماء دین نے خلفاء راشدین کے فضائل ومناقب میں بے شمار کتابیں لکھیں۔ جزاہم اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین خیرا۔ منجملہ ان کے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ کی ازالۃ الخفاء ہے۔ جو اپنے موضوع میں بے مثال اور لاثانی ہے۔ خلافت راشدہ کی حقیقت اور تفضیل شیخین کا دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے اثبات جس عجیب وغریب انداز سے فرمایا ہے، وہ محیر العقول ہے اور عقل کیوں نہ حیران ہو کتاب کیا ہے، ایک عظیم الشان حوض یا تالاب ہے جس میں اُس صاف وشفاف آب زلال کو جمع کیا گیا ہے کہ جو سحائب الہام نے مصنف علیہ الرحمۃ کے قلب صافی پر برسایا ہے اور پھر اس الہامی درایت کو روایات نبویہ سے مدلل اور مبرہن کیا ہے جب قلم درایت پر چلتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلم جنید اور بایزید کا ہے، اور جب قلم روایت پر چلتا ہے تو روایات کا ایک عظیم دریا نظر آتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلم عسقلانی اور قسطلانی کا ہے۔ ایسی کتاب کہ جو دریائے روایت اور دریائے درایت کا مجموعہ ہو اور مجمع البحرین کا مصداق ہو۔ اس پر قبضہ پانا بہت دشوار ہے، ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ پر پہونچتے ہیں تو پہلا کنارہ نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس ناچیز اور ہیچمدان نے اس کتاب کا غور سے مطالعہ کیا اور یہ ارادہ کیا کہ اس کتاب کے مقاصد کلیہ اور

مباحث مہمہ کا خلاصہ کر دیا جائے اور روایات میں سے صرف ضروری حصّہ پر اکتفا کی جائے تاکہ اہل فہم پر اصل مسئلہ واضح ہو جائے اور خلافت راشدہ کی حقیقت اور اس کے مقام اور مرتبہ سے آگاہ ہو جائیں اور بقدر ضرورت کتاب وسنت سے اس کے شواہد پر مطلع ہو جائیں، اصل مقصد واضح ہو جانے کے بعد اگر تفصیل درکار ہو تو اصل کتاب کی مراجعت کریں۔ اور جو لوگ باران عظیم (یعنی اصل ازالۃ الخفاء) تک نہ پہونچ سکیں تو وہ اس شبنم یعنی اس خلاصہ پر اکتفا کریں۔ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ اور جو لوگ اس حوض تک نہ پہونچ سکیں۔ اُن کے لئے اس حوض میں سے صراحی اور مشکیزہ ہی پیش کر دیا جائے کچھ تو پیاس بجھے گی اور علاوہ ازیں متعدد مباحث میں دیگر اکابر امت کے کلام معرفت التیام سے افاضات اور اقتباسات کا اضافہ کیا تاکہ بحث مکمل ہو جائے اور مسئلہ میں تشنگی باقی نہ رہے۔ مثلاً امام ربانی مجدد الف ثانی کے مکتوبات سے اور تحفۂ اثنا عشریہ مصنفہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی سے اور منہاج السنۃ مصنفہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے مختلف مقامات میں لطیف اضافے لیے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تحریر سراپا تقصیر کو قبول فرمائے اور اس نابکار وناہنجار کا خلفاء راشدین کے غلاموں اور کفش برداروں میں حشر فرمائے آمین یا رب العالمین کسی نا اہل کی کیا مجال کہ وہ شاہی محل کا رخ کر سکے۔ اس کی انتہائی تمنا یہ ہوتی ہے کہ مقربین سلطانی کی کفش برداری کا، شرف مجھ کو حاصل ہو جائے۔ اور اُن کی جوتیوں کے طفیل مجھ کو کوئی دربان اندر جانے سے نہ روکے۔ کفش بردار کی حقیقت ہی یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں سوائے کسی مقبول اور برگزیدہ کی جوتیوں کے اور کچھ بھی نہ ہو، ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم، وتب علينا انك انت التواب الرحيم ط

معنیٔ خلافت[۱]

خلافت کے معنی لغت میں نیابت اور جانشینی کے ہیں کہ ایک شخص کو کسی کا قائم مقام بنایا جائے جو نیابۃً اس کا کام انجام دیتا ہے اور اصطلاح شریعت میں خلافت اس اسلامی سلطنت اور بادشاہت کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ بطریق نیابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نبویہ علیٰ صاحبہا الف الف صلاۃ والف الف تحیہ کو قائم اور مستحکم کیا جائے اور جو شخص نائب نبی ہونے کی حیثیت سے دین کے قائم رکھنے کا انتظام کرے وہ خلیفہ ہے اور نائب ہونے کی حیثیت کی قید اور شرط اس لئے لگائی گئی تاکہ لفظ خلیفہ کے مفہوم سے انبیاء خارج نہ ہو جائیں اس لئے کہ انبیاء کرام حق تعالیٰ کے خلیفہ ہوتے ہیں انبیاء کرام اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے دین کو قائم کرتے ہیں۔

خلافت عامہ اور خلافت خاصہ

اہل سنت کے نزدیک خلافت کے معنی سلطنت اور مسلمانوں کی فرمانروائی کے ہیں۔ پس اگر وہ خلافت نمونۂ نبوت ہو تو خلافت خاصہ ہے اور اس کو خلافتِ راشدہ بھی کہتے ہیں کہ حکومت اصولی طور پر اسلام کی پابند ہے مگر عملی طور پر قانون شریعت

---

[۱] معنیٔ خلافت باعتبار لغت جانشینی است کہ یکے بجائے دیگرے بنشیند و بہ نیابت او کار کند۔ و در شرع مراد از وے پادشاہ است برائے تصدی اقامت دین محمدی علی صاحبہ الصلاۃ والتسلیمات بہ نیابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ الخ ازالۃ الخفاء ص ۲۵۶ ج ۱ مقصد اول از فصل ہفتم ::

کے اتباع میں مقصر اور کوتاہ ہے۔

بالفاظ دیگر

خلافت راشدہ اس حکومت اور ریاست کو کہتے ہیں کہ جس کا تمام ملکی اور ملی نظام منہاج نبوت پر ہو اور جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کے طور پر وہ امور انجام دیئے جائیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت پیغمبری انجام دیتے رہتے مثلاً اقامت دین۔ اقامت جہاد بد شمنان دین۔ اقامت حدود شرعیہ اقامت ارکان اسلام احیاء علوم دینیہ مثلاً قضاء۔ وافتاء وغیرہ وغیرہ غرض یہ کہ اس حکومت کا نظام ایسا ہو، کہ وہ بادشاہت اور سلطنت معصیت نہ ہو یعنی حکومت۔ احکام شریعت کے اجراء میں اپنی ذمہ داری کو پورا کر دے اور عند اللہ عاصی نہ ٹھہرے اور راشدہ کے معنی یہ ہیں کہ توفیق ربانی اور تائید آسمانی اس کو کشاں کشاں رشد اور ہدایت اور حق اور صواب ہی کی طرف لے جاتے اور باطل اور جور کی طرف لے جانے سے اس کو روک دے یہ خلافت راشدہ ہے۔ اور اس کے بالمقابل خلافت جابرہ ہے جس میں بہت سے خلاف شرع امور عمل میں آئے ہوں نیز اگر کوئی شخص فاطمی بھی ہو بلکہ بالفرض وہ معصوم بھی ہو مگر اس کا حکم نافذ اور جاری نہ ہو تو اس کو خلیفہ نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ خلافت کے لئے حکومت اور فرماں روائی ضروری اور لازم ہے اور اسی طرح کافر بادشاہ کو بھی خلیفہ نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ اس کو اقامت دین اور احیاء علوم شرعیہ اور اقامت حدود شرعیہ سے کوئی غرض اور سروکار نہیں۔

خلافت راشدہ کی شرائط اور لوازم

خلافت راشدہ کی بہت سی شرطیں ہیں۔ مثلاً خلیفہ کا شنوا اور بینا ہونا آزاد ہونا صاحب علم و عدالت ہونا شجیع ہونا صائب الرائے ہونا جنگ اور صلح کے موقعوں پر نمایاں کام کر سکتا ہو وغیرہ وغیرہ اور یہ وہ شروط ہیں جو ببداہت عقل معلوم ہیں کیونکہ مقاصد خلافت بغیر ان امور کے متحقق نہیں ہو سکتے لیکن خلیفہ راشد میں ان عام شروط خلافت کے علاوہ ایک مزید شرط یہ ہے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملکات اور افعال میں خاص تشبہ حاصل ہو یعنی وہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا نمونہ اور ظل ہو اور تشبہ سے ان صفات کے ساتھ تشبہ مراد ہے کہ جو اوصاف نبی و رسول کو نبوت و رسالت کی حیثیت سے حاصل ہوں اور جن اوصاف کا نبوت و رسالت سے تعلق نہیں ان میں تشبہ مراد نہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غایت درجہ حسین وجمیل ہونا یا ہاشمی ہونا ان صفات کو نبوت و رسالت سے کوئی تعلق نہیں انبیاء کرام جمال میں مختلف رہے ہیں اور ہزاروں نبی بنی اسرائیل میں ہوئے معلوم ہوا کہ ہاشمیت نبوت کے لیے لازم اور ضروری نہیں بخلاف اقامت جہاد۔ اقامت ارکان اسلام احیاء علوم دینیہ وغیرہ وغیرہ یہ صفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلحاظ وحی اور نبوت حاصل تھے اکثر انبیاء کرام اگرچہ مامور بالجہاد نہ تھے لیکن جن حضرات نے جہاد کیا وہ وحی الٰہی کی بنا پر کیا۔ پس اسی قسم کے صفات میں خلیفہ خاص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ کامل حاصل ہونا ضروری ہے اور اور تشبہ کامل کی قید اس لئے لگائی کہ فقط بعض صفات میں تشبہ کا حاصل ہونا کافی نہیں ورنہ ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ تشبہ ضرور حاصل ہوتا ہے مثلاً نماز پنج گانہ اور تلاوت قرآن وغیرہ وغیرہ۔

چونکہ کلام خلافت خاصہ میں ہے، اس لئے تشبہ کامل کی قید لگانا ضروری ہوا اور تشبہ کامل اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو امت کے طبقہ علیا میں سے ہو نہ کہ طبقہ وسطیٰ اور ادنیٰ سے ازالۃ الخفاء (ص۲۵۸ ج۱)

بعثت رسل کی حقیقت اور خصال نبوت کا بیان

جب یہ معلوم ہو گیا کہ خلافت خاصہ۔ نمونۂ نبوت اور تشبہ بہ نبوت کا نام ہے تو ضروری ہوا کہ بعثت رسل کی حقیقت بتلائی جائے اور ان خصال اور صفات کو بیان کیا جائے کہ جو نبی کو بہ حیثیت نبوت کے حاصل ہوتے ہیں تاکہ خلافت خاصہ کی بیان کردہ حقیقت خوب واضح ہو سکے بعثت (رسول کے بھیجنے) کے یہ معنیٰ نہیں کہ کسی کو پیغمبر بنا کر آسمان سے زمین میں بھیج دیا جائے یا مشرق سے مغرب میں یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں کسی شخص کو نبی بنا کر بھیج دیا جائے بلکہ بعثت رسل کے معنی یہ ہیں کہ حق جل شانہ کا ارادہ لطیف و رحمت اس امر کے متعلق ہو کہ ارسال رسول اور بعثت نبی کے واسطے سے بندگان خدا کو دین خداوندی اور شریعت الٰہیہ سے آگاہ کیا جائے تاکہ ان کی صلاح اور فلاح کا باعث ہو اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ بننے کے قابل ہر فرد بشر نہیں ہو سکتا اور ہر شخص میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ نبوت و رسالت اور سفارت خداوندی اور خلافت ایزدی کے منصب جلیل پر فائز ہو سکے اس لئے حکمت اور مصلحت اس کو مقتضی ہوئی کہ افراد بشر میں سے بعثت کے لئے ایک ایسے فرد کو متعین کیا جائے کہ جس کا مبارک اور بزرگ وجود زمین پر ایسا ہو جیسا کہ آسمانوں میں جبریل امین کا وجود ہے اس کا نفس قدسیہ ملاء اعلیٰ کے غایت درجہ مشابہ ہو۔

لوازم نبوت

نبوت کے لوازم بلکہ اجزاء میں سے یہ امر ہے کہ نبی کا نفس ناطقہ اپنی دونوں قوتوں یعنی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ میں تمام عالم سے بلند اور برتر ہو۔

حق جل شانہ جس کو منصب نبوت پر فائز فرماتے ہیں اس کو محض اپنے فضل اور رحمت سے، بلا کسی سعی اور بلا کسی جد وجہد کے اس کو ایک ایسی خاص قوت عاقلہ عطا فرماتے ہیں کہ جس کی وجہ سے اس کا نفس ناطقہ عالم غیب کی وحی اور الہام کو سن سکے اور سمجھ سکے اور ملائکہ اور جنت اور جہنم اور عالم ملکوت کی چیزوں کا مشاہدہ کر سکے اور آئندہ کے جو واقعات صور مثالیہ کے ذریعہ اس کو خواب میں دکھلاتے جاتیں ان کو کما حقہ سمجھ سکے۔

اور اسی طرح حق تعالیٰ اس کو محض اپنی رحمت اور عنایت سے بلا کسی مجاہدہ اور ریاضت کے ایسی بے مثال قوت عاملہ عطا فرماتے ہیں کہ جس کی وجہ سے اس کا نفس ناطقہ تمام اخلاق فاضلہ اور ملکات صالحہ کا معدن اور منبع بن جاتا ہے اور اس کے اعضاء اور جوارح سے افعال جمیلہ اور اعمال صالحہ کا صدور نہایت سہولت بلکہ لذت اور فرحت کے ساتھ ہونے لگتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے یہ قوت عاقلہ کی طرف اشارہ ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ سمت صالح (عمدہ خصلتیں) نبوت کا پچیسواں جزء ہے۔ یہ قوت عاملہ کی طرف اشارہ ہے اور اس طرف بھی اشارہ مفہوم ہوتا ہے کہ قوت عاملہ کا درجہ قوت عاقلہ سے کم ہے۔ قرۃ العینین ص۱۰ ازالۃ الخفاء ص۱ ج ۲ مقصد دوم۔

خواص نبوت کی ایک عجیب مثال[1]

اگر نبوت کے خواص اور لوازم کو سمجھنا چاہتا ہے تو یہ فرض کر کہ چار شخص ہیں کہ ایک تن میں جمع کر دیئے گئے ہیں اور اس مجموعہ کا نام نبی اور پیغمبر رکھ دیا گیا ہے۔

شخص اوّل[2]

وہ بادشاہ عادل ہے کہ جس کے نفس ناطقہ پر ملاء اعلیٰ سے سیاست ملکیہ کے علوم کلیہ کا القاء ہوتا ہے حکمرانی اور عدل عمرانی کے اصول و فروع کا دمبدم اس کو القاء ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ سلطنت کے لئے جس قدر امور ضروری ہیں مثلاً حکمت و شجاعت اور سخاوت اور معدلت یہ اس بادشاہ سے فطری طور پر ظہور میں آتے ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ نظام سلطنت غایت درجہ منظم اور مرتب ہے اور سارے ملک کی کثرت مبدل بوحدت ہو چکی ہے جیسا کہ لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبهم ولکن اللہ الف بینهم اور ارشاد باری فاصبحتم بنعمته اخوانا ط اس طرف مشیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اپنی رحمت سے تمام مسلمانوں کو ایسا ایک دل بنا دیا کہ ساری دشمنیاں مبدل بہ محبت و اخوت ہو گئیں کہ اگر روئے زمین کے خزائن بھی خرچ کئے جاتے تو یہ الفت نہ پیدا ہوتی ان آیات میں اسی صفت کی طرف اشارہ ہے۔

---

[1] قرۃ العینین صلا و ازالۃ الخفاء ص ج ۲ مقصد دوم [2] قرۃ العینین صلا و ازالۃ الخفاء ص ج ۲ مقصد دوم

دوسرا شخص

وہ حکیم (فاضل) کامل ہے کہ جس کے قلب سے اس کی زبان پر علم و حکمت کے چشمے جاری ہیں اور لوگوں کو حکمت و اخلاق کی تعلیم و تلقین میں مصروف ہے اور اس کا نفس ناطقہ خود بھی ان اخلاق فاضلہ کے ساتھ علی وجہ الکمال تحققاً و تخلقاً موصوف ہے اور اس کا ظاہر و باطن ان صفات اور ملکات کے رنگ میں رنگا ہوا ہے بفحوائے کل اناء یترشح بما فیہ انہیں صفات کی خوشبو اس سے ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا اور قرآن کریم میں جس نبی کا ذکر کیا گیا ہے اٰتیناہ الحکمۃ بھی اس کے حق میں بیان کیا گیا ہے ان آیات میں اسی صفت حکمت کی طرف اشارہ ہے۔

تیسرا شخص

وہ عارف کامل اور صوفی کامل اور مرشد کامل ہے کہ جو تہذیب نفس اور تزکیۂ قلب کے طریقوں سے بخوبی واقف ہے صاحب مقام اور صاحب حال ہے اور صاحب کشف و الہام ہے۔ منبع انوار و برکات اور مصدر کرامات ہے مریدین اور سالکین کے حلقہ میں بیٹھا ہوا ہے ان کو مجاہدہ اور ریاضت نفس کے طریقے تلقین کر رہا ہے، اور اپنی فیض صحبت سے ان کی تربیت کر رہا ہے۔ حق جل شانہ کے اس ارشاد ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم میں اس طرف اشارہ ہے تعلیم الکتاب والحکمت سے تعلیم اخلاق

مراد ہے اور تزکیہ سے فیض صحبت کے ذریعہ باطنی تربیت مراد ہے۔

چوتھا شخص

وہ جبریل امین ہے جو سموات میں مطاع اور مکین (صاحب مرتبہ) ہے اور خداوند ذوالجلال اور اس کے انبیاء و رسل کے درمیان سفیر اور واسطہ ہے اور وحی اور الہام اور علم کا فرشتہ ہے اور تدبیر الٰہی کا ایک جارحہ ہے اور ملئکہ مدبرات امرا کے سرخیل ہیں، اور
لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ
ان کی خاص الخاص صفات ہیں، اس جگہ جبریل سے ہماری مراد وہ قوت ملکیہ ہے، جو جارحہ تدبیر الٰہی اور واسطہ اخذ علم خداوندی ہو یعنی اس کی اصل جبلت جبریلی ہو کہ جس کے لئے حظیرۃ القدس کی راہیں کشادہ ہوں اور ملاء اعلیٰ سے جو علوم اس کے عقل اور قلب پر القاء ہوں ان کو بہ سہولت اخذ اور جذب کر سکے۔

لہذا نبی ان چار شخصوں کے مجموعہ کا نام ہے کہ جو ایک تن اور ایک بدن میں جمع کر دیئے گئے ہوں اور یہ تمام صفات سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں علی وجہ الکمال والتمام موجود تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ لطف و کرم اس طرف متوجہ ہوا کہ عالم کی ہدایت اور اصلاح کے لئے ایک رسول اعظم کو مبعوث کیا جائے کہ دنیا پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے اور کتاب و حکمت یعنی مکارم اخلاق اور محاسن اعمال اور حکمت ملکیہ اور منزلیہ کی ان کو تعلیم دے اور جبریل امین کی طرح اپنی فیض صحبت اور تربیت سے ان کے قلوب اور نفوس کا ایسا تزکیہ کرے کہ ان کے قلوب آئینہ کی طرح صاف اور مجلّٰی ہو جائیں اور علوم الہیہ اور تجلیات ربانیہ کے عکس کو پورا قبول کر

یکیں۔ حق جل شانہ کے اس ارشاد ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم اٰیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین میں اسی طرف اشارہ ہے۔

راجع قرۃ العینین ص۲۴۲ وازالۃ الخفاء ص ج ۲ از مقصد دوم۔

خلافت الہیہ اور خلافت نبوت

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام۔ خداوند ذو الجلال کے خلیفہ ہوتے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے کما قال تعالیٰ اذ قال ربك للملئكه انی جاعل فی الارض خلیفہ اور خلیفہ راشد نبی اور رسول کا خلیفہ ہوتا ہے۔

خلیفۂ خداوندی، معاذ اللہ خدا نہیں ہوتا لیکن صفات خداوندی کا ایک ظل اور عکس ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ خلق اللہ آدم علی صورتہ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی تجلی خاص کا مظہر خاص بنایا ہے

پس خلیفہ ساخت صاحب سینہ تا بود شاہیش را آئینہ

دوم یہ کہ اس کا وجود باجود دنیا میں ربوبیت تشریعیہ کے اجراء اور تنفیذ کے لئے بمنزلہ جارحہ الہیہ کے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن امور اور علوم اور اصلاحات کو بنی نوع انسانی میں جاری کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے اجراء اور نفاذ کے لئے اس نبی کو واسطہ تدبیر بناتے ہیں۔ کہ جو کچھ بھی من جانب اللہ ظہور میں آئے اس کا ظہور اس پیغامبر کے ہاتھ سے ہو گویا کہ یہ نبی بلا تشبیہ و تمثیل تدبیر خداوندی کے ظہور کے لئے بمنزلہ جارحہ الہیہ کے ہوتا ہے جیسا کہ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ میں اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

فانت حسام الملك واللہ ضارب ٭ وانت لواء الدین واللہ عاقد
و قال تعالیٰ - ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق
ایدیھم - یہ ارشاد بھی اسی کا مؤید ہے

سوم یہ کہ اس کی قوت علمیہ اور قوت عملیہ کو ملاء اعلیٰ کی قوت علمیہ اور قوت عملیہ کے ساتھ خاص تشبہ حاصل ہو تاکہ قوت علمیہ کے تشبہ کی وجہ سے ملاء اعلیٰ کے علوم کی تلقی اور اخذ اس کے لئے آسان ہو اور قوت عملیہ کے تشبہ کی بناء پر اس کو ملائکہ کرام جیسی عصمت اور طہارت اور نزاہت حاصل ہو سکے۔

نقش آدم لیک معنی جبرئیل ٭ رستہ از جملہ ہوا و قال وقیل

قال تعالیٰ ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا یعنی اگر فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتے تو انسان ہی کی شکل میں بھیجتے تاکہ لوگ اس کے حسن و جمال کا تحمل کر سکیں اور ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس سے استفادہ اور استفاضہ کر سکیں۔

چہارم یہ کہ ملاء اعلیٰ کی تائید، ہر موقعہ اور محل میں اس کی معین اور مددگار ہو تاکہ ملاء اعلیٰ کی تائید، اس خلیفہ کے ہاتھ پر ظہور خوارق کا سبب بنے، اور خلیفۂ اوّل کے حق میں واذ قلنا للملئکة اسجدوا میں اسی تائید ملاء اعلیٰ کی طرف اشارہ ہے اور خدا وند ذوالجلال کے آخری خلیفہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لئے جنگ بدر اور حنین میں ملائکہ مسوّمین کا نزول بھی اسی تائید ملاء اعلیٰ کی طرف اشارہ ہے۔

پنجم یہ کہ اس کے نفس قدسیہ کی انوار و تجلیات کا عکس حاضرین پر پڑتا ہو کہ جس کی بنا پر سلیم الطبع لوگ ظلمت سے نکل کر نور کی طرف آنے لگیں اور اس کے فیض صحبت سے دلوں کی ظلمتیں اور کدورتیں صاف ہونے لگیں اور یخرجھم من الظلمات الی النور کا مشاہدہ

آنکھوں سے ہونے لگے۔

ششم یہ کہ اس کے قوائے ثلاثہ یعنی قوت عقلیہ اور قوت شہویہ اور قوت غضبیہ غایت درجہ معتدل ہوں کہ ایک قوت دوسری قوت کے حقوق مختصہ میں مداخلت نہ کرے جس سے ایک خاص صورت اعتدالیہ پیدا ہو جائے اور اسی اعتدال کی بناء پر انسان فرشتوں سے بھی بازی لے جاتا ہے، اسی وجہ سے حضرت آدم کی تسبیح و تحمید ملائکہ کی تسبیح و تحمید، سے افضل و اکمل تھی، اس لئے کہ ملائکہ چونکہ امور حسیہ اور جسمانیہ کھانا پینا وغیرہ وغیرہ کو کماحقہ نہیں جانتے، اس لئے فرشتوں کی تسبیح و تحمید فقط امور معنویہ پر ہوتی ہے اور حضرت آدم کی تسبیح و تحمید امور معنویہ اور حسیہ دونوں پر تھی اس لئے کہ حضرت آدم روحانیت اور جسمانیت دونوں کے جامع تھے اور فرشتے فقط روحانی ہیں۔ اس لئے حضرت آدم کی تسبیح و تحمید ملائکہ کی تسبیح و تحمید سے اعم اور اتم ہوتی۔

ہفتم یہ کہ بخت مسعود اور فتح و نصرت اور غلبۂ اعداء اور محبوبیت قلوب اس کی ہمرکاب ہو، کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی۔ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون وان جندنا لھم الغالبون اور اس قسم کی آیات میں اسی طرف اشارہ ہے۔

خلافت نبوت یا خلافت راشدہ

خلافت الٰہیہ کے سمجھ لینے کے بعد اب خلافت نبوت کو سمجھئے کہ جس طرح خلیفۂ خداوندی خدا نہیں ہوتا اسی طرح خلیفۂ نبی۔ نبی اور رسول نہیں ہوتا مگر نبی کی صفات کا نمونہ اور ظل اور عکس ہوتا ہے، پس خلیفۂ راشد وہ ہے کہ جس کا نفس ناطقہ اپنی دونوں قوتوں

یعنی قوت عقلیہ اور قوت عملیہ میں نبی کی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ کے مشابہ اور ہم رنگ ہو
۲- اور جن اغراض اور مقاصد کے لئے نبی کی بعثت ظہور میں آتی ہو ان اغراض و مقاصد کی تکمیل اس خلیفہ کے ہاتھ پر ہو یعنی نبی اور رسول جس کام کی بنیاد رکھ گئے ہوں مگر وہ کام ابھی پورا نہ ہوا تھا کہ نبی دنیا سے رحلت فرما گئے تو اللہ تعالیٰ اپنی خاص تائید سے ان کاموں کو اس نبی کے خلیفہ خاص کے ہاتھ پر پورا فرماتے ہیں پس جو خلیفہ نبی کے باقی ماندہ امور کا علماً اور عملاً اور فتوحاً مکمل اور متمم ہو وہ اس کا خلیفہ خاص اور خلیفہ راشد ہے، جیسے موسیٰ علیہ السلام کے باقی ماندہ امور کی تکمیل یوشع علیہ السلام نے کی اور داؤد علیہ السلام کے باقی ماندہ امور کی تکمیل و تتمیم سلیمان علیہ السلام سے ہوئی، حق جل شانہ کے اس ارشاد اما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فالینا یرجعون میں اسی طرف اشارہ ہے کہ جو وعدے ہم نے آپ سے کئے کچھ تو آپ کی وفات سے پہلے آپ کی زندگی ہی میں پورے ہوجائیں گے اور جو وعدے باقی رہ جائیں گے وہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر پورے ہوجائیں گے۔ جو وعدے آپ سے کئے گئے ہیں وہ اپنے اپنے وقت پر پورے ہوجائینگے۔

خلافت کا ظاہر اور باطن

خلافت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ خلافت کا ظاہر وہ ریاست اور فرماں روائی ہے کہ جو دین متین کی تمکین اور اس کی اقامت اور استحکام کے لئے ہو، اور خلافت کا باطن، وہ خاص تشبہ ہے یعنی آنحضرت کے ساتھ ان افعال اور صفات میں مشابہ ہوتا ہے جو افعال اور صفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت پیغمبری حاصل

تھے ـــــــــ پس جس طرح حقیقت نبوت ارادۂ الٰہیہ ہے جو عالم کی صلاح اور فلاح، اور مفسدین اور کفار کے اہلاک، اور دین متین اور شریعت الٰہیہ کی ترویج کے متعلق ہو اسی طرح حقیقت خلافت، ارادۂ الٰہیہ ہے کہ جو کسی شخص کے ہاتھ پر پیغمبر کے، اقوال و افعال اور اس کی شریعت اور اس کے دین کی اشاعت اور ترویج اور غلبہ کی، تکمیل اور تتمیم کے متعلق ہو۔

اور یہ وہ شخص ہوتا ہے کہ جو قوت عاقلہ اور قوت عاملہ اور قوت اعتدالیہ، (جو قوت عاقلہ اور عاملہ کے امتزاج اور اتصال سے پیدا ہوتی ہیں) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص مناسبت اور خاص مشابہت رکھتا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں قوت عاقلہ کے کمالِ ثمرات اور نتائج میں سے وحی الٰہی تھی اور خلیفہ راشد کی قوت عاقلہ کے کمالِ ثمرات اور نتائج میں سے صدیقیت اور محدثیت اور الہام اور فراستِ صادقہ ہے جس کی وجہ سے اس کے مظنونات حکم میں یقینیات کے ہوتے ہیں۔ اور اکثر واقعات میں اس کی رائے وحی الٰہی کے مطابق ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں قوت عاملہ کے کمال کے ثمرات و نتائج میں سے عصمت کاملہ اور سیرت صالحہ تھی اور خلیفہ راشد کے حق میں قوت عاملہ کے کمال اثرات اور نتائج میں سے صلاح کامل اور عفت کاملہ ہے جس کو اصطلاح میں محفوظیت سے تعبیر کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی شان میں فرمایا ان الشیطان یفر من ظل عمر تحقیق شیطان عمر کے سایہ سے بھاگتا ہے۔

اور قوت اعتدالیہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ حق جل شانہ نے انسان میں دو خصلتیں رکھی ہیں ایک خصلت بہائم اور ایک خصلت ملائکہ پس خصلت بہیمیت اور خصلت

ملکیت کے درمیان اعتدال اور میانہ روی اختیار کرے نہ ملکیت کو بیگار چھوڑے اور نہ بہیمیت کو ہر ایک کے حق ادا کرے، کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ اعتدال، اور میانہ روی، ان دونوں قوتوں کے درمیان حدِ فاصل ہے اور یہی میانہ روی ہمیشہ انبیاء کرام کا مطمح نظر رہی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں قوت براعت یعنی قوت اعتدالیہ اور امتزاجیہ کے ثمرات میں سے معجزات اور خوارق عادات اور عجیب وغریب واقعات کا ظہور تھا اور خلیفہ راشد کے حق میں قوت اعتدالیہ کے ثمرات اور نتائج میں مقامات عالیہ اور کرامات خارقہ اور تاثیر دعوات صالحہ اور تاثیر مواعظ خلیفہ میں جیسا کہ آیت کریمہ ان اٰیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک اٰل موسیٰ واٰل ھٰرون تحملہ الملئکۃ اس امر پر دال ہے کہ نبی کا مقرر فرمودہ بادشاہ اسی قسم کے خیرات وبرکات، اور کرامات کا مصدر ہوتا ہے پس جب خلیفہ میں یہ تینوں صفتیں پائی جائیں تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین قسم کا تشبہ حاصل ہو گا۔ ان تینوں صفتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ خلافت کا باطن ہے اور تمکین دین اور ترویج ملّت کے لئے ریاست اور فرمانروائی یہ خلافت کا ظاہر ہے۔ پس نبی کا خلیفہ خاص وہ شخص ہے کہ جس میں خلافت کے ظاہر اور باطن دونوں پہلو پائے جائیں اور یہ خلافت خاصہ مراتب ولایت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے جو مقام نبوت سے اقرب اور اشبہ ہے امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ والف الف تحیہ کے علماء و

صلحاء کو دین محمدی کی ترویج و تجدید کی وجہ سے جو مدارج و مراتب حاصل ہوتے وہ اپنی جگہ پر ہیں اور خلافت ان تمام مدارج اور مراتب کی جامع ہے جو علماء اور صلحاء اور امراء اور ملوک کو حاصل ہوتے۔

خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ خاص کے صفات کا بیان

اوپر جو کچھ بیان کیا وہ زیادہ تر مطلق نبی اور مطلق پیغمبر کے خلیفہ خاص سے متعلق تھا اب ہم خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ خاص کی صفات کو بیان کرنا چاہتے ہیں ——— ہمارے نبی اکرم و رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم، تمام انبیاء و رسل سے افضل تھے اور آپ کی شریعت کاملہ تمام شرائع الہیہ سے اکمل اور افضل تھی اور آپ کی کتاب تمام کتب سماویہ سے افضل تھی اور آپ کی بعثت عام اور دائم تھی یعنی تمام عالم کے لئے تا قیامت آپ کی بعثت تھی اور آپ کی ذات بابرکات جامع الفضائل و الکمالات تھی اور آپ سے پہلے جس قدر حضرات انبیاء و مرسلین گزرے ان کو خاص خاص معجزات اور کرامتیں عطاء فرمائیں اور خاص خاص قوموں کی طرف ایک محدود زمانہ کے لئے ان کو مبعوث فرمایا۔

آپ سے پیشتر نبوت و رسالت کا ظہور مختلف صورتوں اور مختلف شکلوں میں ہوتا رہا۔

۱۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی نبوت بصورت بادشاہت تھی تاکہ اس بے مثال اور خارق عادت بادشاہت کو دیکھ کر اس زمانہ کے بادشاہوں کی گردنیں

بارگاہ نبوت کے سامنے ختم ہوجاتیں۔

۲۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام کی نبوت بصورت حبریت عالمیت تھی یعنی وہ بنی اسرائیل کے سب سے بڑے حَبر اور عالم تھے جو ان کو اپنے علوم اور معارف اور مواعظ طیبہ سے سیراب فرماتے تھے۔

۳۔ اور حضرت یونس اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کی نبوت بصورت زہد و عبادت تھی۔ دونوں بزرگ عابد و زاہد نبی تھے۔

۴۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت بصورت اصلاح و تربیت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو توریت جیسی روشن کتاب دے کر بھیجا تاکہ بنی اسرائیل کی اصلاح اور تربیت اور اُن کی دینی اور دنیوی عزت و رفعت کا سبب بنے اور بنی اسرائیل کی دشمن قوم یعنی فرعون اور قبطی ذلیل اور مقہور ہوں اور بنی اسرائیل ان کے تخت و تاج کے وارث بنیں اور سحر اور معجزہ کا فرق واضح ہو جائے۔

۵۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت بصورت طب و حکمت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاء موتیٰ اور ابراء اکمہ و ابرص کا اعجاز عطا فرمایا جس کو دیکھ کر فلاسفہ اور اطباء دنگ اور حیران رہ گئے۔

صد ہزار طب جالینوس بود پیش عیسیٰ و دمش افسوس بود

بہرحال نبوت جس وقت بھی جس صورت میں نمودار ہوتی ہر صورت میں اللہ تعالیٰ نے اُن حضرات کو عزت و وجاہت اور غلبہ عطا فرمایا اور اُمت کو انقیاد اور اطاعت

کی توفیق عطا فرمائی۔

حضرات انبیاء کرام کا یہ غلبہ اور عزت و جاہت اور قوم کا انقیاد بمنزلہ بدن انسانی کے تھا۔ اور اس کے اندر جو عنایت الٰہیہ اور فتح غیبی مستور تھی وہ بمنزلہ نفس ناطقہ کے اندر ہی اندر کارفرما تھی وہ نبوت کی روح تھی اور آیۂ کریمہ انا فتحنا لك فتحا مبینا لیغفر لك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تأخر میں اسی روح نبوت کی طرف اشارہ ہے بدن میں جو حرکت نظر آتی ہے وہ روح کا اثر ہے مگر وہ نظروں سے پوشیدہ ہے ؎

باہمہ شیراں و بے شیر علم   جنبش از باد باشد دمبدم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ افضل الرسل اور خاتم الانبیاء تھے۔ اس لئے من جانب اللہ آپ کی نبوت ان تمام صورتوں کی جامع ہوئی یعنی بادشاہت اور حربیت اور علم و حکمت اور زہد اور عبادت اور فقیری اور درویشی آپ کی نبوت ان سب کی جامع تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ابتداء علم اور حکمت اور فقر اور درویشی اور زہد اور عبادت سے ہوئی جیسا کہ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلون علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین میں اسی طرف اشارہ ہے، چنانچہ حضور پُر نور نے بعثت کے بعد اہل مکہ کو توحید اور رسالت کی دعوت دی چند لوگ آپ کے پیرو ہوگئے اور پھر اسی طرح سے ترقی ہوتی گئی اور دن بدن آفتاب نبوت کی روشنی اطراف اور جوانب میں،

پھیلنے لگی اور روز بروز حق کے قبول کرنے والے بڑھنے لگے یہاں تک کہ آپ کی نبوت ایک رئیس شہر کی صورت میں نمودار ہوئی بعدازاں آپ کو ہجرت کرنے کا حکم ہوا، چنانچہ آپ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی، مدینہ طیبہ اور اس کے اطراف وجوانب کے لوگ اسلام میں داخل ہوگئے اور اسی طرح اسلام کی جمعیت بڑھتی گئی یہاں تک کہ مکہ معظمہ فتح ہوا اور قبائل عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے اور وعدۂ الٰہی اذا جاء نصر اللّٰہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا ـــــ کا ظہور ہوا فتح مکہ میں دس ہزار صحابہ آپ کے ہم رکاب تھے اس کے بعد آپ نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرمایا، تو ایک روایت میں ہے کہ چالیس ہزار شخص اور ایک روایت میں ہے کہ ستر ہزار اشخاص آپ کے ہمرکاب تھے اور ایک سال بعد حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار اشخاص آپ کے ہمرکاب تھے۔ اس وقت یمن، تہامہ، نجد اور نواحی شام، آپ کے دست تصرف میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان مقامات اور شہروں میں زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرنے کے لیے عامل مقرر تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سراپا خیرات و برکات میں مدینہ طیبہ ایک دارالسلطنت کی، صورت میں تھا اور آپ کی نبوت بشکل بادشاہت تھی شیرخوار بچہ کی طرح یہ اسلام کی ابتدا کی حالت تھی مگر لحظہ بلحظہ ترقی پر تھی ترقی کے مدارج ابھی پورے نہ ہوتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم سے رحلت فرمائی اور وہ درجہ جو ترقی کا ابھی باقی تھا وہ

ذوالقرنین جیسی سلطنت تھی کہ جملہ سلاطین وقت ان کے لوائے سلطنت کے مطیع اور منقاد تھے اور یہ وہ سلطنت تھی جس کا بادشاہ شہنشاہ کہلاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا اس کی بشارت دی لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ندا آئی یاَاَیتھا النفسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِی اِلیٰ رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا لبیک تو اللہ تعالےٰ کا یہ وعدہ آپ کے بعد روم اور فارس کی فتح سے خلفاء راشدین کے ہاتھوں پر پورا ہوا اور فارس اور روم کے خزانے مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور یہ سب کارہائے نمایاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پلۂ حسنات میں محسوب ہوئے اور اس طرح مضمون آیت کریمہ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ظہور پذیر ہوا فالحمد للہ علیٰ ذٰلک یہ صورت سلطنت تھی۔

اور صورت حبریت اور عالمیت یہ تھی کہ حضور پُر نور نے جہلاء عرب کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی۔ عرب نے یہ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امی ہیں لکھے پڑھے نہیں مگر ایسی کتاب کی آیتیں پڑھ کر ہمکو سناتے اور سمجھاتے ہیں کہ جس کی فصاحت اور بلاغت حیطۂ ادراک سے باہر ہے اور وہ کتاب باعتبار معانی اور مضامین ہر قسم کے دینی اور دنیوی اور تہذیبی اور تمدنی احکام پر مشتمل ہیں ایسا کلام بندہ کی طاقت سے باہر ہے ایسا کلام تو اللہ تعالےٰ ہی کا ہو سکتا ہے اور پھر آپ کی زبان فیض ترجمان سے جو

احادیث سنیں وہ بھی عجیب وغریب علوم و معارف کا خزینہ اور گنجینہ تھیں۔ سمجھ گئے کہ یہ شخص کوئی خدا کا فرستادہ ہے، رفتہ رفتہ حضور کی پیروی کرنے لگے اور علم و رشد کی روشنی عربوں میں پھیلنی شروع ہوئی اور اتنی پھیلی کہ گھر گھر علمی روشنی سے منور ہو گیا حتیٰ کہ جو لوگ بادیہ نشین تھے وہ بھی علماء وقت اور فضلاء ملت بن گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی حفاظت اور نگہداشت شروع کی اور ایک جماعت کو اس کی کتابت کے لئے متعین فرمایا۔ اور ایک جماعت کو قرآن کریم کی تعلیم دینی شروع کی اور ایک جماعت کو تفسیر قرآن کی اور ایک جماعت کو حفظ احادیث کی اور ایک جماعت کو قضاء اور افتاء کی تعلیم دینی شروع کی کہ شریعت الٰہیہ کے چشمۂ آب حیات اور حوض کوثر کی اس طرح ایک حد بندی ہو جائے تاکہ قیامت تک کے مسلمان اس چشمہ سے سیراب اور فیض یاب ہو سکیں۔

تعلیم کتاب و حکمت کے یہ مراحل تو حضور پُرنور کی زندگی میں طے ہو گئے ہنوز کچھ مراحل اور مدارج باقی تھے مشیت الٰہی یہ تھی کہ ان مراحل و مدارج کی تکمیل خلفاء راشدین کے ہاتھوں پر ہو، اور وہ قرآن مجید کا ایک جگہ بین الدفتین جمع کیا جانا تھا چنانچہ خلفاء راشدین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن کو پتھروں اور کھجور کے شاخوں اور لوگوں کے سینوں سے ایک جگہ بین الدفتین بشکل مصحف جمع کرایا اور جمع کر کے تمام آفاق میں اس کو شائع کیا تاکہ مسلمان اس کو اپنے سینوں اور سفینوں میں محفوظ رکھ سکیں اور اس طرح اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ میں جو جمع قرآن کا

وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ خلفاء راشدین کے ہاتھ پر پورا ہوا اور احادیث نبویہ کے متعلق یہ خدمت انجام دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ احکام جو ہنوز عامہ مسلمین میں شائع نہ ہوئے تھے خلفاء راشدین حسب ضرورت ان کی تحقیق اور تفتیش کرتے گئے اور انہی کے مطابق حکم دیتے رہے یہاں تک وہ احکام تمام مسلمانوں میں شائع ہوتے گئے اور روایت حدیث میں حزم اور احتیاط کی تاکید کی اور اسی لئے کسی کسی موقعہ پر گواہ بھی طلب کئے اور جو آیات اور نصوص قرآنیہ محتمل المعنی تھیں یعنی جن میں متعدد اور مختلف معانی کی طرف ذہن جاسکتا تھا۔ اہل حل وعقد اور اکابر صحابہ کے مشورہ سے ان کے معنی متعین کر دیئے اور بہت سے مختلف فیہ مسائل کو مشورہ اور اتفاق سے طے کیا اس طرح مختلف فیہ مسائل میں اجماع کی بنیاد ڈالی۔

اور جن امور میں کوئی نص شرعی نہ تھی ان میں اجتہاد کرنے کا طریقہ بتلایا۔ امام دار قطنی نے ادب القضاء میں روایت کیا ہے کہ فاروق اعظم نے ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھا اور اس میں یہ حکم لکھا کہ جو امر تمہارے دل میں باعث خلجان پیش آتے جس کے متعلق تمہیں کتاب وسنت سے کچھ نہ پہنچا ہو تو اس میں نہایت فہم اور سمجھ سے کام لو اور کتاب وسنت میں جو اس کے امثال ونظائر ہیں ان کو دیکھ کر ان پر قیاس کرو اور اس کی پوری کوشش کرو کہ جو امر اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور سب سے زیادہ حق کے مشابہ ہو اس کو اختیار کرو انتہیٰ اس طرح فاروق اعظم نے قیاس اور اجتہاد کی بنیاد ڈالی، اور ظاہر ہے کہ یہ امور یعنی اجماع وقیاس کتاب وسنت

سے علاوہ ہیں اس لئے کہ ان امور پر کتاب وسنت کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا لیکن کتاب وسنت کے مخالف نہیں بلکہ عین مطابق اور عین موافق ہیں انہیں سے ماخوذ ہیں اس لئے خود کتاب وسنت کے بے شمار نصوص اجماع اور قیاس کی حجیت کی طرف مشیر ہیں پس شریعت کے دو آخری مرتبے اجماع اور قیاس خلفاء راشدین کے ہاتھ پر مکمل ہوئے جن کی تکمیل زمانہ سعادت میں نہیں ہو سکتی تھی اس لئے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا ہے وہ کتاب وسنت میں منحصر ہے اور یہ امور کتاب وسنت کے علاوہ ہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک خلیفہ کی ضرورت تھی کہ جو قرآن مجید کو جمع کرتا اور احادیث نبویہ کی نہایت حزم اور احتیاط کے ساتھ نشر واشاعت کرتا اور اُن کی تفسیر اور شرح سے لوگوں کو آگاہ کرتا اور کتاب وسنت کے بعد ادلہ شرعیہ میں جو سب سے افضل اور بہتر دلیل ہے، یعنی اجماع اہل علم وتقوی کی بنیاد رکھتا اور غیر منصوص مسائل میں قیاس اور استنباط کی تعلیم دیتا۔

چنانچہ کتاب وسنت کے بعد باتفاق علماء افضل ادلہ شرعیہ اجماعیات خلفاء ہیں جو فقہاء صحابہ کے اتفاق اور مشورہ سے منعقد ہوئے اور تمام اُمت نے دل وجان سے ان کو قبول کیا۔ اور ظاہر ہے کہ عہد نبوت اور زمانۂ نزول وحی میں کسی مسئلہ کا مشورہ اور اتفاق سے طے کرنا ناممکن تھا اس لئے اجماع اور اتفاق کی بنیاد حضور کی وفات کے بعد پڑی۔

اور اسی طرح قیاس اور استنباط کی بنیاد بھی حضور کے بعد پڑی اور اس طرح

سے حضور پُر نور کی نبوت کی جو ابتداء کی صورت وشکل تھی ، یعنی حبریت و عالمیت اور تعلیم کتاب وحکمت اس کی تکمیل وتتمیم خلفاء کے ہاتھوں پر ہوئی کہ ادلۂ شرعیہ کی تکمیل ہوئی ، یعنی کتاب وسنت کے بعد اجماع اور قیاس کی بنیاد پڑی اور فقہاء کرام ، نے اپنے مذاہب کی بنیاد جن ادلہ پر رکھی وہ بھی چار ہیں کتاب وسنت اور اجماع اور قیاس اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت زہد اور عبادت اور صورت ارشاد وتزکیہ اور تلقین وتربیت کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ خلفاء راشدین نے حضور پُر نور کے اذکار اور انواع احسان واخلاص ، اور وظائف عبودیت اور توحید اور توکل اور صبر وشکر وغیرہ وغیرہ کی تلقین وتعلیم کو قولاً اور عملاً جاری رکھا۔

اور جس طرح حضور پُر نور اپنی فیض صحبت سے صحابہ کے نفوس کا تزکیہ اور تربیت فرماتے تھے۔ اسی طرح خلفاء راشدین بھی اُمت کے قلوب کا تزکیہ اور تجلیہ کرتے رہے۔ اور بادشاہت کی تکمیل اس طرح سے ہوئی کہ فارس اور روم کی سلطنتیں اسلام کی باج گزار بنیں۔

غرض یہ کہ جس طرح حضور پُر نور کی نبوت تینوں صورتوں کی جامع تھی اسی طرح خلفاء راشدین کی خلافت بھی تینوں صفتوں کی جامع ہوتی۔ یعنی بادشاہی اور علم وحکمت اور فقیری ودرویشی کا مجموعہ ہوئی۔

خلافت راشدہ کی مثال

خلیفۂ راشد کی مثال بانسری کی مانند ہے کہ جس طرح بانسری بجانے والا

آواز بلند کرنے کے لئے یا اس آواز میں کوئی شدت یا خاص کیفیت پیدا کرنے کے لئے بانسری کو اپنے منہ سے لگالیتا ہے تو اصل آواز تو بجانے والے کی ہوتی ہے اور شدت اور کیفیت بانسری کی ہوتی ہے اسی طرح جو کام خلفاء راشدین کے ہاتھ سے پورے ہوئے وہ سب نبی ہی کی آواز تھے اور خلیفہ بمنزلہ بانسری کے تھا۔ یا یوں کہو، کہ خلیفہ راشد کا وجود نبی کے حق میں بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے ہوتا ہے کہ اصل فرمانروا قلب اور دماغ ہوتا ہے (یعنی نبی کی ذات بابرکات) اور خلفاء راشدین اس کے لئے بمنزلہ دست و بازو کے ہوتے ہیں کہ جن کی حرکت نظر آرہی ہے اور دل و دماغ کی حرکت نظروں سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ خلافت راشدہ کا زمانہ، زمانہ نبوت کا بقیہ ہے فرق اتنا ہے کہ زمانہ نبوت میں خود اپنی زبان مبارک سے صراحۃً امور کو بیان فرماتے تھے اور زمانہ خلافت میں نبی ساکت وصامت بیٹھے ہیں اور لسان نبوت خاموش ہے اور ہاتھ اور سر اور پیر سے اشارے کر رہے ہیں اور اہل فہم اور اہل دانش مقصود کو سمجھ رہے ہیں اور جس نے اعضاء و جوارح (یعنی خلفاء راشدین) کی حرکات وسکنات کے سمجھنے میں غلطی کی وہ اس کی سمجھ کا قصور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین کے اقوال اور افعال باجماع اُمت حجت شرعیہ ہیں انکا اتباع واجب اور لازم ہے خلفائے راشدین کی سنت کے اتباع اور خاص ابوبکر و عمر کی اقتداء کے لزوم اور تاکید کے بارہ میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔

خلفاء راشدین کے اقوال وافعال حجت شرعیہ ہیں

حق جل شانہ نے آیت استخلاف میں وعدۂ خلافت کے بعد یہ ارشاد فرمایا، **ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم** اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے ان کے دین کو مضبوط اور مستحکم کرے جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے دین کو خلفاء راشدین کی طرف منسوب فرمایا یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کاموں پر دین کا اطلاق کیا، جو خلفاء کے ہاتھوں سے ظاہر ہوں گے اور پھر الذی ارتضی لھم سے اس کا پسندیدۂ خداوی ہونا بیان فرمایا، یہ اس کی صریح دلیل ہے کہ خلفاء راشدین کے اقوال وافعال داخل دین ہیں اور خدا کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آئمہ مجتہدین کے نزدیک خلفاء راشدین کے اقوال اور افعال ادلہ شرعیہ میں شمار ہوتے ہیں اور ان کو قیاس پر مقدم رکھا جاتا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ خلفاء راشدین اُن صفات فاضلہ کے ساتھ موصوف تھے جو بارگاہ خداوندی کے مقربین اور کاملین کے ساتھ مخصوص ہیں علم و حکمت، فہم اور فراست، حسن معاملہ اور حسن عبادت اور افعال اور صفات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تھے ان حضرات کی حزم اور احتیاط، شجاعت اور سیاست اور رعیت شناسی جس سے حکومت اور سلطنت حاصل ہوتی ہے اور چلتی ہے وہ ایسی

بے مثال تھی جس سے آج تک دنیا حیران ہے۔

خلفاء راشدین کا دور خلافت، عہد نبوت کا تتمہ تھا جو وعدے نبی کریم سے کئے گئے تھے وہ خلفاء راشدین کے ہاتھ پر پورے ہوئے فرق اتنا تھا کہ آسمان سے وحی نہیں آتی تھی مثل انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون وان علینا جمعه وقرانه۔ ستدعون الیٰ قوم اُولیٰ باس شدید۔ لیظھره علی الدین کله۔ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ ومن یرتد منکم عن دینه یعنی حفاظت قرآن اور ظہور دین اور غلبۂ اسلام اور فتح روم و فارس اور روئے زمین کی وراثت یعنی اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے یہ تمام وعدے خلفاء کے ہاتھ پہ پورے ہوئے خلفاء کی افضلیت کی قوی وجہ یہ ہے کہ دین کی بوقت غربت اور بوقت عسرت جان اور مال اور تبلیغ اور جہاد اور مناظرہ سے مدد کی اور سب سے سبقت لے گئے ظاہر ہے کہ حضور پُر نور ابتداء میں تن تنہا تھے اور اللہ تعالیٰ کا ارادۂ ازلیہ دین کے غالب کرنے کا ہو چکا تھا عالم اسباب میں حق تعالےٰ نے اس کی یہ صورت پیدا کی کہ ان لوگوں کے دلوں میں نبی کریم کی اعانت اور نصرت اور حمایت کا خاص داعیہ پیدا فرمایا، نیز خلفاء کی افضلیت کی ایک قوی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم اور اُمت کے درمیان واسطہ بنے قرآن وحدیث کی ترویج میں سب سے آگے رہے اور عرب اور عجم سے جہاد کیا اور ،

اسلام کا پرچم بلند کیا۔
شیخین کی افضلیت کو سب سے زیادہ صاف اور واضح کرنے والے
حضرت علی مرتضیٰ ہیں کہ جن سے باسانید صحیحہ اور متواترہ مروی ہے کہ کوفہ میں،
منبر پر کھڑے ہوکر اپنے عہد خلافت میں فرمایا کرتے تھے کہ اُمت میں سب
سے بہتر ابوبکر اور ان کے بعد عمر ہیں۔ الخ۔
خلافت کا اصل مقصد تمکین دین ہے لہذا یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ مقصد کس کس
خلیفہ کے ہاتھ سے حاصل ہوا مقاصد کی تحصیل اور تکمیل کے ذرائع اور وسائل پر
بحث کرنا فضول ہے۔
یہ بالکل ایسا ہے کہ بادشاہ کو مقصود کسی دشمن کا قتل کرانا ہے جس سے دنیا
مصیبت میں مبتلا ہے، ایک جوانمرد اٹھا اور اس نے جس طرح ہو سکا اس کا
کام تمام کیا، گلا گھونٹ کر مار دیا یا پتھر سے مارا یا تیر سے مارا اب ایک،
بے وقوف کہتا ہے کہ اگر اس دشمن کو بجائے تیر کے تلوار سے مارا جاتا تو زیادہ
شجاعت ہوتی یا یہ کہے کہ فلاں شخص قوت اور شجاعت میں اس سے بہتر تھا یہ
باتیں اس کی احمقانہ اور ابلہانہ ہیں۔ اسی طرح یہ بحث کرنا کہ حضرت علی شجاعت
میں ابوبکر و عمر سے بڑھ کر تھے فضول ہے دیکھنا یہ ہے کہ خلافت کا یہ مقصد کس
سے زیادہ حاصل ہوا۔ اور مقاصد خلافت کس سے باحسن وجوہ انجام پاتے بس
وہ شخص افضل ہے، شجاعت مقصود بالذات نہیں مقصود بالذات بادشاہ کی،

خوشنودی حاصل کرنا ہے جو حاصل ہو گئی آیت استخلاف میں حق تعالیٰ نے دو وعدے فرمائے ایک استخلاف فی الارض کا دوسرے تمکین دین کا اور یہ دونوں وعدے حاضرین وقت سے تھے اب اگر خلفاء کے زمانہ میں پورے نہ ہوتے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ خدا کا وعدہ پورا نہیں ہوا اور جاہل ہے وہ شخص جو یہ کہتا ہے، کہ خلافت مستحق سے غصب کر لی گئی۔ اللہ کے وعدے میں نہ تخلف ممکن ہے اور نہ غصب ممکن ہے۔

وعدہ خداوندی امر تکوینی ہے جس کی مخالفت ناممکن ہے امر تشریعی میں مخالفت ممکن ہے جیسے کسی کو حکم ہو کہ نماز پڑھو اور وہ نماز نہ پڑھے۔

خلیفہ اور بادشاہ میں فرق

سلیمان بن ابی العوجاء سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ، ایک شخص نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین خلیفہ اور بادشاہ میں تو فرق ظاہر ہے وہ یہ کہ خلیفہ نہیں مال لیتا مگر حق کے ساتھ اور نہیں خرچ کرتا مگر حق کے ساتھ اور آپ بحمد للہ ایسے ہی ہیں اور بادشاہ ظلم کرتا ہے کہ جس سے چاہتا ہے لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے دیتا ہے حضرت عمرؓ سن کر خاموش ہو گئے۔

روایت کیا گیا کہ امیر معاویہ جب ممبر پر بیٹھے تو فرمایا کہ خلافت نہ مال جمع

کرنے کا نام ہے اور نہ خرچ کرنے کا بلکہ خلافت اس کا نام ہے کہ حق پر عمل کرے، حکم میں عدل کرے اور لوگوں کو امر الٰہی پر قائم رکھے۔

ایک مجلس میں جس میں حضرت زھیر اور کعب احبار بھی موجود تھے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرے اور مال غنیمت ان میں برابر تقسیم کرے اور اپنے اہل وعیال کی طرح رعیت پر شفقت کرے اور کتاب اللہ کے ساتھ اُن کے درمیان فیصلہ کرے۔ کعب احبار کہنے لگے کہ میرا تو خیال یہ تھا کہ اس مجلس میں میرے سوا کوئی خلیفہ کے معنی نہیں جانتا ہوگا۔

دیکھو تحت تفسیر آیت شصت و ہفتم یعنی آیت أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (سورۂ ص) ازالۃ الخفاء صـ ۲۲ ج ۱

نبی اور خلیفۂ راشد کی تعریف

نبی کی تعریف یہ ہے کہ جو شریعت الٰہیہ کی تبلیغ پر مامور اور نفس اس کا نفس قدسی ہو جو نورانیت اور صفائی میں ملاء اعلیٰ کے ہمرنگ ہو۔ اسی طرح خلیفہ خاص کی تعریف یہ ہے کہ جو نبی کی شریعت کو لوگوں میں جاری کرے اور خدا کے وہ وعدے جو نبی سے کیے گئے تھے وہ اس کے ہاتھ پر پورے

ہوں اور اس کی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ نبی کی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ کی ہم رنگ ہو اور نبی کا اتباع اس کے حق میں تقلیدی نہ ہو بلکہ تحقیقی ہو۔

خلفاء راشدین کی خلافت کا ثبوت

خلفاء راشدین کی خلافت مختلف طریقوں سے ثابت ہے منجملہ ان کے اجماع صحابہ کرام ہے عبداللہ بن مسعودؓ نے اسی مسلک کو اختیار فرمایا اور فرمایا کہ جس بات کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس کو وہ بُرا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بُری ہے۔

چونکہ صحابہ کرام خدا کے برگزیدہ اور پسندیدہ تھے اور کتاب وسنت کے سب سے زیادہ جاننے والے اور خدا اور اس کے رسول کے عاشق صادق تھے وہ خوب جانتے تھے کہ کون افضل ہے اور کون مفضول اس لئے کسی امر پر اُن کا اتفاق اور اجماع اس امر کے حق اور صدق ہونے کی قطعی دلیل ہو گا۔ تمام صحابہؓ نے صدیق اکبرؓ کو بہتر جانا اس لیے ان کو خلیفہ بنایا اور انکے بعد عمر کو اور پھر عثمان کو اور پھر علی کو رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اثبات خلافت خلفاء بطریق دیگر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے

کہ حضور پُر نور کے ظہور کی بشارتیں توریت اور انجیل اور دیگر کتب الٰہیہ میں موجود ہیں کما قال تعالےٰ اَوَلَمْ یَکُنْ لَّهُمْ آیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَقَالَ تَعَالٰی۔ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ط

توریت اور انجیل میں جس قدر بھی حضور کے اوصاف موجود تھے اگرچہ ظاہری طور پر ان سے کسی خاص فرد کی تعیین نہیں ہو جاتی لیکن ان نصوص کے تواتر اور تسلسل سے یہ امر درجہ یقین تک پہنچ جاتا ہے کہ ان اوصاف موعودہ کا جامع ایک ہی شخص ہوگا جو مدت دراز کے بعد ظاہر ہوگا۔ اور جس وقت وہ شخص ظاہر ہوگا تو لوگ ان اوصاف کو دیکھتے ہی یقین کریں گے کہ یہ وہی شخص موعود ہے کہ جس کی، انبیاء سابقین بشارتیں دیتے چلے آئے اسی طرح قرآن کریم نے متعدد جگہ خلافت راشدہ کی بشارت دی اور خلفاء راشدین کے اوصاف بیان کئے اور اُن کی مدح اور ثناء میں یہ بھی بیان کیا کہ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توریت اور انجیل میں بشارتیں مذکور ہیں اسی طرح صحابہ کرام اور خلفاء راشدین کی بھی ثنائیں اور صفتیں توریت اور انجیل میں مذکور ہیں کما قال تعالےٰ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ط ان آیات میں اگرچہ خلفاء کے نام کی صراحت نہ تھی لیکن جن صفات اور افعال کا ذکر تھا جب وہ صفات اور افعال خلفاء راشدین میں لوگوں نے دیکھے اور عرب اور عجم کی بے مثال فتح اور دین اسلام کی تمکین اور غلبہ ان کی ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہوا،

دیکھا تو تمام مسلمانوں کا دل مطمئن ہو گیا کہ خلافت راشدہ کی بشارت کا مصداق یہی حضرات ہیں اور مسلمانوں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت آدمؑ سے لے کر اس وقت تک کسی زمانہ میں کسی کے ہاتھ پر دین کی ایسی تمکین ظاہر نہیں ہوئی کہ جو ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کے زمانہ میں ہوئی بلکہ کسی ملت اور مذہب میں اس تمکین کا عُشرِ عَشیر بھی دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا۔

پس جس طرح نبی آخر الزماں کے ان اوصاف اور کمالات کے ظاہر ہونے سے کہ جن کی توریت و انجیل میں بشارت دی گئی تھی اہل کتاب پر حجت پوری ہوئی اور آپ پر ایمان لانے کے مکلف ہوئے۔

اسی طرح خلفاء راشدین میں ان اوصاف اور لوازم کے پائے جانے سو جو حق تعالیٰ نے خلافت راشدہ کے متعلق بیان فرمائے ہیں خلفاء کی خلافت کی حقانیت ثابت ہوئی اور اُن خلفاء کا ماننا اور ان کی اطاعت کا ضروری ہونا بدیہی طور پر معلوم ہو گیا قرآن کریم کے اصلی مفسر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قرآن کریم کے متعلق جہاں اشکال پیش آئے وہاں حدیث نبوی کی طرف رجوع کیا جائے گا جیسا کہ حق جلّ شانہ کا ارشاد ہے۔ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ اے نبی ہم نے یہ قرآن تم پر اس لئے نازل کیا کہ تم اس کی تفسیر کرو اور لوگوں کے لئے اس کے معانی بیان کرو، چنانچہ خلافت کے بارہ میں جب آیتیں نازل ہوئیں تو ان میں باعتبار معنی اور مفہوم کے کوئی

غموض اور ابہام نہ تھا لیکن مدت خلافت اور تعیین اسماء خلفاء اور ترتیب خلافت کے اعتبار سے کچھ غموض اور ابہام تھا جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم غیب کے اشاروں سے واضح اور متعین فرمایا۔

حق تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ انبیاء کرام کو کبھی بذریعہ وحی بیداری میں کسی امر کی خبر دیتے ہیں اور کبھی بذریعہ رویائے صالحہ اس سے آگاہ کرتے ہیں جیسے شب قدر اور اذان کے متعلق بذریعہ خواب کے بتلایا گیا۔ اسی طرح اسماء خلفاء کی تعیین اور انکی ترتیب خلافت اور مدت خلافت کے متعلق آپکو اور آپکے اصحاب کو مختلف طور پر خواب دکھلائے گئے جن سے معلوم ہوا کہ حضور کے بعد یہ لوگ اس ترتیب سے خلیفہ ہونگے

۱۔ مثلاً حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں جس پر ایک ڈول رکھا ہوا ہے میں نے اس کنویں سے پانی نکالا جس قدر خدا تعالیٰ کو منظور تھا پھر مجھ سے وہ ڈول ابو قحافہ کے بیٹے یعنی ابوبکرؓ نے لے لیا اور ایک دو ڈول نکال لئے مگر ان کے نکالنے میں کچھ کمزوری تھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے پھر یکایک چمڑے کا بڑا ڈول بن گیا اور ان کے ہاتھ سے ابن خطاب نے اس کو لے لیا اور اتنا پانی نکالا کہ لوگ سیراب ہو گئے اور اپنے اونٹوں کو بھی سیراب کر لیا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

۲۔ سنن ابی داؤد میں ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک ترازو اتری جس

میں حضور پر نور اور ابوبکرؓ تو لے گئے تو آپ بھاری نکلے۔ پھر ابوبکرؓ و عمرؓ
تو لے گئے تو ابوبکرؓ بھاری نکلے۔ پھر عمرؓ اور عثمانؓ تو لے گئے تو عمرؓ بھاری
نکلے پھر وہ ترازو اٹھالی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُن کر رنجیدہ ہوئے
(ازالۃ الخفاء صفحہ ۵ ج ۱) الخ

۴۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آج کی شب میں
نے یہ خواب دیکھا کہ ایک ابر کا ٹکڑا ہے جس میں سے گھی اور شہد ٹپک رہا
ہے اور لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ دونوں ہاتھوں سے اس کو لے رہے ہیں
کوئی کم اور کوئی زیادہ اور میں نے یہ دیکھا کہ ایک رسّی ہے جو آسمان سے
زمین تک لٹک رہی ہے پھر میں نے دیکھا کہ یا رسول اللہ آپ نے اس رسّی
کو پکڑ لیا اور اس کے ذریعہ آسمان پر چڑھ گئے پھر آپ کے بعد ایک اور شخص
آیا کہ اس نے وہ رسّی پکڑی اور اس کے ذریعہ آسمان پر چڑھ گیا پھر اس کے بعد
ایک تیسرا شخص آیا جس نے اس رسّی کو پکڑا تو وہ رسّی ٹوٹ گئی مگر پھر جڑ گئی اور وہ
شخص بھی آسمان پر چڑھ گیا ابوبکرؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا
ہوں اگر آپ مجھ کو اجازت دیں تو میں اس خواب کی تعبیر عرض کردوں آپؐ نے
فرمایا اچھا اس کی تعبیر بیان کرو ابوبکرؓ نے کہا کہ ابر سے مراد تو اسلام ہے اور
اس سے ٹپکنے والی چیز قرآن کی نرمی اور شیرینی وہ گھی اور شہد ہے جس سے کوئی

زیادہ اور کوئی کم لے رہا ہے اور وہ رسّی جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے وہ دین حق اور شریعت حقہ کی رسّی ہے جس پر آپ قائم ہیں اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آپ کو علو اور رفعت عطا کرے گا پھر آپ کے بعد کوئی دوسرا شخص اس رسّی کو تھامیگا اور بلندی حاصل کرے گا اور پھر ایک اور شخص اس رسّی کو پکڑیگا اور اس کے ذریعہ بلندی پر چڑھ جائے گا اور پھر اس کے بعد ایک تیسرا شخص اس رسّی کو پکڑے گا اور پھر وہ رسّی ٹوٹ جائے گی اور پھر وہ رسّی اس کے لئے جوڑ دی جائے گی اور پھر وہ شخص بھی اس رسّی کے ذریعہ بلندی پر چڑھ جائے گا۔ اخرجہ البخاری ومسلم والدارمی وابوداؤد والترمذی اور اس قسم کے خوابوں کے علاوہ ایک دوسرے طریقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء کے اسماء اور ترتیب خلافت کو بیان فرمایا یعنی آئندہ واقعات کی اس طرح خبر دی کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کے بعد یہ لوگ خلیفہ ہوں گے۔

۱۔ مثلاً حدیث میں ہے کہ جب حضورؐ نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلے آپ نے ایک پتھر رکھا اور پھر فرمایا کہ میرے پتھر کے برابر ابوبکرؓ ایک پتھر رکھیں پھر فرمایا کہ ابوبکرؓ کے پتھر کے برابر عمرؓ ایک پتھر رکھیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ عمرؓ کے پتھر کے برابر عثمانؓ ایک پتھر رکھیں کسی نے حضورؐ سے اس کے متعلق دریافت کیا آپ نے فرمایا یہ لوگ میرے بعد خلیفہ ہوں گے ایک مرتبہ حضور نے چند کنکریاں اپنے ہاتھ میں لیں تو اُن کنکریوں نے آپ کے

ہاتھ میں تسبیح پڑھی جس کو تمام حاضرین نے سُنا۔

آپؐ نے وہ کنکریاں ابوبکرؓ کے ہاتھ میں رکھ دیں ان کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی جس کی آواز کو تمام حاضرین نے سُنا

آپؐ نے وہ کنکریاں عمرؓ کے ہاتھ میں رکھ دیں اُن کے ہاتھ میں بھی کنکریوں نے تسبیح پڑھی جس کی آواز کو تمام حاضرین نے سُنا۔ پھر آپؐ نے وہ کنکریاں عثمانؓ کے ہاتھ میں رکھ دیں اُن کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی جس کی آواز کو تمام حاضرین نے سُنا۔ بعد ازاں آپؐ نے فرداً فرداً ہمارے ہاتھوں پر وہ کنکریاں رکھیں مگر کسی کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح نہ پڑھی، غرض یہ کہ اس کے غیبی افاضات اور اشارات بے شمار ہیں مثلاً میرے بعد زکوٰۃ ابوبکرؓ کو دینا اور اگر ابوبکرؓ نہ ہوں تو عمرؓ کو دینا اور اگر عمرؓ نہ ہوں تو عثمانؓ کو دینا۔ اخرجہ الحاکم، یا یہ فرمانا کہ میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کی اقتدار کرنا (یہ تمام آثار ازالۃ الخفاء میں مذکور ہیں)

بالآخر حضورؐ نے اپنے مرض الوفات میں فرمایا کہ میرا دل چاہتا تھا کہ ابوبکرؓ کو بلاؤں اور ایک وصیّت نامہ لکھوا دوں تاکہ کہنے والے کچھ نہ کہہ سکیں اور تمنّا کرنے والے تمنا نہ کر سکیں۔ لیکن میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ اللہ اور مسلمان سوائے ابوبکرؓ کے کسی پر راضی نہ ہوں گے (رواہ مسلم)

لہٰذا لکھوانے کی ضرورت نہیں اور بجائے تحریر وصیّت کے عملی طور پر امامت صلوٰۃ ابوبکرؓ کے سپرد کی جو دین کا ستون ہے اور اس کے بعد

آپ نے کسی کتابت اور صراحت کی ضرورت نہ سمجھی، یہ عملی استخلاف قولی استخلاف سے بڑھ کر ثابت ہوا اور یہ تمام احادیث آیات استخلاف کی ایسی ہی تفسیر ہیں جیسا کہ احادیث وضوء آیت وضوء کی تفسیر ہیں اور جب ان احادیث کو آیات خلافت کے ساتھ ملالیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا کہ ان بزرگوں کا نام بھی آیات میں بیان کر دیا گیا ہے اور حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا تھا وہ ان ہی بزرگوں کی صورت میں ظاہر ہوا

طریق معرفت خلیفۂ راشد

جس طرح مدعیان نبوت میں سے نبی برحق کا پہچاننا دشوار اور مشکل تھا (مگر جس پر اللہ تعالیٰ آسان فرمائے) اسی طرح مستعد خلافت کا پہچاننا دشوار اور مشکل ہے مگر اس حیرت سے بچنے کے لئے دو راہیں ہیں جس طرح نبی کی وجوہ معرفت اور طرق شناخت میں سب سے سہل دو وجہیں ہیں ایک وجہ سابق اور ایک وجہ لاحق نبی برحق کی شناخت کی وجہ سابق یہ ہے کہ نبی سابق اپنی امت کو لاحق کی بشارت دے اور اس کے اتباع اور اطاعت کی وصیت کرے جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ وسلم کی بشارت دی کما قال تعالیٰ مبشرا برسول یاتی من بعد اسمہ احمد اور اولم یکن لھم اٰیۃً ان یعلمہ علماء بنی اسرائیل اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب پر حجت قائم کی۔

اور وجہ لاحق یہ ہے کہ پیغمبر آخر کی شریعت، پیغمبر سابق کی شریعت کی مصدق ہو اور معجزات اور دلائل نبوت اس کے ہاتھ پر ظاہر ہوں۔ لیهلك من هلك عن بینة ویحیی من حی عن بینة اسی طرح خلافت خلفاء میں جب حیرت واقع ہو تو اس سے خلاصی اور رہائی کی بھی دو راہیں ہیں ایک وجہ سابق اور ایک وجہ لاحق، وجہ سابق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً یا اشارۃً اور کنایۃً اور قولاً یا فعلاً اس کا مستحق خلافت ہونا بیان فرمایا ہو۔

اور وجہ لاحق یہ ہے کہ خلیفہ کی ذات میں خلافت خاصہ کے اوصاف اور آثار نمایاں طور پر پائے جاتے ہوں جیسے کوئی طبیب دعویٰ کرے کہ میں طب میں مہارت تامہ رکھتا ہوں تو محض یہ دعویٰ اس کی طبابت کے ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں البتہ اگر اس سے مریضوں کا علاج کرایا جائے اور مرض تشخیص کرکے اس کے اسباب و علامات بتلائے اور پھر ہر مرض کے مطابق اور مناسب نسخہ تجویز کرے اور پھر اس کے نسخوں سے مریض شفایاب ہوں تو اس کی طبابت کالشمس فی نصف النہار واضح اور روشن ہو جائے گی۔

نکتہ

علماء اہل سنت کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ خلفاء راشدین کی خلافت نص سے ثابت ہے اور اس بارہ میں یہ حضرات متعدد حدیثیں نقل کرتے ہیں، اور

اکثر متکلمین اور محدثین کا مسلک یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور یہ دونوں قول اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں جمہور متکلمین اور محدثین، کی مراد یہ ہے کہ نص جلی اور صریح حکم سے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور صراحۃً کسی کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد نہیں فرمایا لیکن خلافت کو بطریق اشارہ اور بطریق رمز وکنایہ بیان فرمایا جیساکہ حدیث اقتدوا باالذین بعدی ابی بکرؓ عمر اور حدیث اُمنت بہ انا وابوبکر وعمر و دخلت انا و ابوبکر وعمر ـــــــــ وغیرہ وغیرہ اور اس قسم کی بے شمار احادیث ہیں جو تمام کی تمام متحد المعنی ہیں اور قدر مشترک اور مجموعی حیثیت سے بمنزلہ قطعی الدلالت ہیں ـــــ یہ احادیث جو اثبات خلافت کے بارہ میں مروی اور منقول ہیں فرداً فرداً اگرچہ وہ اخبار احاد ہیں لیکن جب ان کے مجموعہ پر نظر ڈالی جائے تو ان کا قدر مشترک متواتر المعنی ہے جو بمنزلہ نص کے ہوتا ہے۔

پھر یہ کہ آیات خلافت کو احادیث خلافت سے جُدا کر کے دیکھا جائے تو وہ سب کی سب اجمال کی وجہ سے اشارہ خفی کے درجہ میں ہیں اور اگر اُن آیات کے ساتھ ان احادیث کو بھی ملا لیا جائے کہ جو خلفاء کے بارہ میں آئی ہیں تو مجموعہ مل کر بمنزلہ نص جلی ہو جاتا ہے سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کا تعین خلیفہ کے لیے مشورہ کرنا اس کی دلیل نہیں کہ خلافت کا مسئلہ منصوص نہ تھا بلکہ یہ گفتگو تمام تر محض تذکیر یعنی یاد دہانی اور استحضار کے لئے تھی کہ حضورؐ نے اس

بارہ میں کچھ فرمایا ہے وہ سب یک لخت نظروں کے سامنے آجائے اور اس بارہ میں کوئی خفاء اور ابہام باقی نہ رہے۔

اثبات خلافت خلفاء راشدینؓ بدلائل عقلیہ ونقلیہ

اب ہم خلافت کے ان دلائل عقلیہ کو بیان کرتے ہیں کہ جو کتاب و سنت اور ان مقدمات سے ماخوذ ہیں کہ جو اہل اسلام کے نزدیک مسلم ہیں اور جن کی نقیض کسی محال شرعی کو مستلزم ہے مثلاً وعدۂ الٰہی میں تخلف لازم آنا یا عصمت نبی میں قادح پیدا ہونا یا اُمت مرحومہ کا گمراہی پہ مجتمع ہونا وغیرہ وغیرہ

دلیل اوّل

خلفاء راشدین کی خلافت کی پہلی دلیل وہ احادیث ہیں جو ابواب فتن میں مذکور ہیں جن میں قیامت تک آنے والے حوادث وفتن کی اس طرح خبر دی ہے جس طرح کوئی ان واقعات کو بچشم خود دیکھ رہا ہے کسی چیز کو بالاجمال اور کسی چیز کو بالتفصیل بیان فرمایا اپنے بعد خلافت کی خبر دی اور یہ بھی بتلا دیا کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت رہے گی، اور خبر دی کہ میرے بعد اختلافات پیش آئیں گے اس وقت تم ابوبکرؓ اور عمرؓ کا اقتداء کرنا اشارہ اس طرف تھا کہ یہ دونوں میرے بعد یکے بعد دیگر خلیفہ اور میرے قائم مقام ہوں

گئے تم امور خلافت میں ان کی اقتدار کرنا اور فتنہء ارتداد اور قیصر وکسریٰ کے فتح اور عثمان غنی رض کی شہادت وغیرہ وغیرہ کی خبر دی اور بہت سے امور حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض کے متعلق بیان فرمائے جن سے بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات خلفاء کی خلافت ۔ رحمت خداوندی اور برکت ایزدی ہوگی ہر شخص بالبداہت اس امر کو جان سکتا ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت میں جو کارہائے نمایاں ہوئے مثلاً فتنہء ارتداد کا پیش آنا اور قرآن کریم کا جمع ہونا اور فارس اور روم کا فتح ہونا وغیرہ وغیرہ ان امور سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ وہی امور ہیں کہ جن کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی جن کا ظہور اور اتمام حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض اور حضرت عثمان کے ہاتھوں پر ہوا الغرض جو شخص احادیث نبوی کا استقراء کرے گا۔ اس پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت راشدہ کو علی وجہ الکمال والتمام بیان فرمایا ہے۔

دلیلِ دوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد بہت سی رحمتوں اور برکتوں کی بشارت دی اور بہت سے فتنوں اور شروں کے ظاہر ہونے کی خبر دی اور اُمت کو ان سے علیحدہ رہنے کی وصیت اور ہدایت فرمائی اور بہت

سے اشخاص کے متعلق خصوصاً ان لوگوں کے متعلق جو حضور پُر نور کی خدمت میں نشست و برخاست رکھتے تھے ہر ایک کے حق میں کچھ کلمات ارشاد فرماتے جو تمام عمران کے لئے بمنزلہ مرآۃ اور آئینہ کے ہوئے جن کا کوئی حصر اور شمار نہیں تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے متعلق کچھ کلمات ارشاد نہ فرمائے ہوں گے جن کا شمار آپ کی ہی زندگی میں صحابہ کبار رض میں ہوتا تھا اور وہ لوگ آپ کے بمنزلہ وزیر اور مشیر کے تھے کیا حضور ؐ نے ان حضرات کے حق میں کچھ کلمات نہیں فرمائے ہوں گے کہ جو تمام عمران کے لئے مرآۃ اور آئینہ کا حکم رکھتے ہوں۔

خلفاء راشدین کی خلافت دو حال سے خالی نہیں خیر تھی، یا شر تھی اگر خیر تھی تو بہترین خیر تھی اور مَن سنّ سنۃً حسنۃً فی الاسلام فلہٗ اجرُہا و اجرُ من عمل بہا کا مصداق تھی اس لئے کہ قیامت تک آنے والے علماء اور صلحاء اور مجاہدین اور ساعیان خیر کی تبلیغ اور ارشاد کا اجر اور ثواب خلفاء راشدین کے نامۂ اعمال میں ثبت ہُوا۔ اور اگر ان کی خلافت شر تھی تو بدترین شر تھی اس لئے کہ ان لوگوں نے دین محمدی کو درہم برہم کیا اور صفحۂ ہستی سے اصل ہدایت اور رشد کو مٹا دیا اور امام معصوم کو مظلوم اور مقہور کیا۔

اَب سوال یہ ہے

کہ کیا یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد پیش آنے والے

امور جزئیہ کو تو بیان فرمایا اور جو امور عظیم الشان اور موجب فتنہ۔ اور باعث ابتلاء عظیم تھے انہیں ترک فرمایا ہو پس اگر خلفاء راشدین کی خلافت خیر محض تھی تو لطف الٰہی اور رافت پیغمبری کا اقتضاء یہی تھا کہ امت مرحومہ کو اس خیر محض کی بشارت دی جاتی اور اگر شر محض تھی تو لطف ایزدی اور شفقت نبوی کا اقتضا یہی تھا کہ اُمت مرحومہ کو اس شر سے خبر دی جاتی اور اس فتنہ سے آگاہ کیا جاتا تاکہ لوگوں پر اللہ کی حجت قائم ہوتی اور وہ یہ جان لیتے کہ فلاں فلاں اشخاص مستحق خلافت نہیں بلکہ مستحق خلافت دوسرے اشخاص ہیں۔

دلیل سوم

جس شخص نے فن مغازی کا تتبع کیا ہے وہ اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوات میں تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ میں کسی نہ کسی کو اپنی جگہ مقرر کر کے جاتے تو اب کیونکر ممکن ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لئے دنیا سے تشریف لے جائیں تو اپنی سیرت مستمرہ کے مطابق کسی کو اپنا جانشین کر کے نہ جائیں یہ امر حضور پرُنور کی شان رأفت و رحمت سے بہت بعید ہے۔

دلیل چہارم

حق جل شانہ نے دفع مفاسد اور اصلاح عالم کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو شریعت کاملہ دے کر مبعوث فرمایا جس میں اگر بچشم عبرت و دیدۂ بصیرت غور کیا جائے تو اس میں شک نہیں رہ سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام امور کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ جو انسان کو حضیض جسمانیت سے نکال کر اوج ملکیت تک پہنچا سکیں، پھر ساتھ ہی ساتھ مکارم اخلاق اور آداب معیشت اور تدبیر منزل اور سیاست ملکیہ اور مدنیہ کو بہ تشریح بیان فرمایا غرض یہ کہ کوئی امر نازیبا ایسا نہیں چھوڑا کہ جس کی ممانعت نہ کی ہو۔ اور کوئی امر زیبا ایسا نہیں چھوڑا کہ جس کی تعلیم و تلقین اور تحریص و ترغیب نہ فرمائی ہو۔ ایسے حکیم اور دانا اور مشفق اور مہربان کی نسبت عقل یہ تجویز نہیں کر سکتی کہ وہ اپنی اُمت کو ایسے مہلکہ میں ڈال دے کہ جس سے خلاصی اور رہائی کی کوئی تدبیر نہ ہو حالانکہ صورت حال یہ تھی کہ غزوۂ تبوک کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم اور رومیوں کو ڈرا کر ان کی قوت غضبیہ کو مشتعل کیا ہوا تھا اور ادھر کسریٰ کے نام دعوت اسلام کا والانامہ تحریر فرمایا تھا جس سے اس کی آتش غیرت مشتعل ہو رہی تھی، خود عرب میں مدعیان نبوت مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی جیسے اسلام کے مٹانے پر تلے ہوئے تھے اور بجائے اسلامی تعلیمات کے اپنی کفریات اور ہزلیات اور زٹلیات کو رائج کرنا چاہتے تھے، نیز ابھی قرآن مجید بھی بشکل مصحف جمع نہ ہوا تھا پس ایسے حالات میں بدون تدابیر اور اصلاح اور نصب خلیفہ اور بغیر اپنا جانشین مقرر کئے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے کیسے تشریف لیجا سکتے تھے۔

ایک سوال اور اسکا جواب

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ بہت سے احکام ایسے ہیں کہ جو شریعت میں نہیں بیان کئے گئے اور مجتہدین پر چھوڑے گئے ممکن ہے کہ مسئلہ خلافت بھی انہیں مسائل میں سے ہو جو قیاس مجتہدین پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

جواب

یہ ہے کہ احادیث کے تتبع اور استقراء سے یہ امر واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب الوقوع حوادث اور واقعات کو بیان فرمایا ہے اور جو امور بعید اور نادر الوقوع تھے ان سے تعرض نہیں فرمایا تاکہ شکوک و شبہات اور اختلاف کا دروازہ نہ کھلے یہ عین رحمتِ الٰہی تھی کہ اس قسم کے واقعات کو قیاس مجتہدین پر چھوڑ دیا گیا اور یہ امر بدیہی ہے کہ مسئلہ خلافت بعید الوقوع نہیں بلکہ قریب الوقوع ہے لہذا اُن احکام میں جو قیاس مجتہدین پر چھوڑ دیئے گئے ہیں اور مسئلہ خلافت میں بیّن فرق ہے۔

دلیلِ پنجم

حق جلّ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور رسالت کی غرض و غایت یہ بیان فرمائی ہے کہ آپ کا دین اور آپ کی شریعت کو تمام

ادیان پر غلبہ حاصل ہو کما قال تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْکَافِرُوْنَ ؕ اور احادیث سے بتواتر ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء بعثت ہی میں یہ خبر دی تھی کہ روم اور فارس فتح ہوں گے اور بھی مختلف فتوحات کی بشارتیں دی اور ظاہر ہے کہ ایسی فتوحات بدون نصب خلیفہ اور تقرر امام ممکن نہیں بلکہ حضور پُر نور نے علاوہ فتوحات کے طرح طرح کے فتنوں کے ظہور کی بھی خبر دی مثلاً فتنہ ارتداد وغیرہ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے فتنوں کا دفعیہ اور انسداد بدون نصب خلیفہ ممکن نہیں بلکہ یہ کام ہر خلیفہ کا بھی نہیں بلکہ خاص اس شخص کا کام ہے کہ جسے تدبیر غیبی متعین کرے اور تائید آسمانی اس کی معین اور مددگار ہو، پس جس ذات بابرکات کی شان یہ ہو کہ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ بمقتضائے شفقت ورأفت اپنی اُمت کو خیر سے نزدیک کرنے اور شر سے دور کرنے کے لئے کسی کو اپنا جانشین بنائے بغیر دنیا سے رحلت کر جائے نہایت بعید ہے حق تعالےٰ نے بنی اسرائیل کی ایک قوم کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ الآیۃ اگر ان آیات میں غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ دشمنان خدا سے مقابلہ اور مقاتلہ ابتداءً یا دفعاً بدون نصب خلیفہ ممکن نہیں پس ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے کسی کو اشارۃً یا کنایۃً ضرور خلیفہ مقرر فرمایا ہوگا اور مرض الوفات میں
جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ یأبی اللہ والمؤمنون الا ابابکر
— یعنی اللہ اور مسلمان بجز ابوبکر رضؓ کے اور کسی کی خلافت نہیں چاہتے۔ حضور
پُرنور کا یہ ارشاد کفالت الٰہیہ پر محمول ہے کہ کفالت خداوندی پر اعتماد کر کے
صریح طور پر تعیین اور نامزدگی کو ترک فرمایا کہ قضاء وقدر خود ہی ابوبکر رضؓ کو مسندِ
خلافت پر بٹھلا دے گی۔

محالات پنجگانہ

اب ہم ان پانچ دلائل کے بعد یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر خلفاء ثلاثہ کی
خلافت کو خلافت راشدہ اور خلافت حقہ نہ مانا جائے تو پانچ محال لازم آئینگے
یہ امر تو بہ تواتر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت
ابوبکر صدیق خلیفہ مقرر ہوئے اور ان کے بعد حضرت فاروق رضؓ اور پھر ان کے بعد عثمان
غنی رضؓ اور یہ بھی سب کو مسلّم ہے کہ یہ تینوں حضرات بادشاہان روئے زمین تھے اور
فرمانروائی کرتے تھے اور تمام لوگ حق رعیت بجا لاتے تھے اور خلیفۂ رسول اللہ کہہ
کر پکارے جاتے تھے جو خلافت کا ایک جز ہے ان تینوں حضرات کی فرمانروائی میں کسی
موافق و مخالف کو اختلاف نہیں، سُنی اور شیعہ کی گفتگو فقط اس امر میں ہے کہ ان کی
فرمانروائی حق تھی یا باطل اور یہ لوگ اپنی فرمانروائی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

مطیع تھے یا عاصی اور شارع علیہ الصلاۃ والسلام کی جانب سے ان کی خلافت منصوص تھی یا غیر منصوص یا ان کے علاوہ کسی اور شخص کی خلافت منصوص تھی یا کسی کی بھی خلافت منصوص نہ تھی۔

پس اگر شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے ان حضرات کی خلافت کے بارہ میں کوئی نص یا اشارہ اُمت کو عطا کیا تھا اور اسی نص اور اشارہ کے مطابق یہ حضرات خلیفہ ہوئے تو فھوعین المراد یہی ہمارا عین مدعا ہے۔ اور اگر شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے کسی اور شخص کی خلافت کی نص ارشاد فرمائی اور یہ تینوں اشخاص اپنی سینہ زوری اور چیرہ دستی سے زبردستی خلیفہ بن گئے، اور شارع علیہ السلام نے جس شخص کی خلافت کے متعلق نص فرمائی تھی اس کو زبردستی حق خلافت سے محروم کیا اور خود نص شارع کے عاصی اور نافرمان بنے تو اس میں پانچ قباحتیں لازم آتی ہیں جن کا شارع علیہ السلام کی جانب سے واقع ہونا ناممکن اور محال ہے۔

اوّل کلامِ خداوندی اور کلامِ نبوی میں تدلیس یعنی عیب پوشی کا ہونا لازم آتا ہے (دوم) ان تمام احادیث متواترہ کا کاذب اور غلط ہونا لازم آتا ہے کہ جن کو ثقات اور اَثبات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل اور متواتر روایت کرتے چلے آئے ہیں (سوم) اُمت مرحومہ کا ضلالت اور گمراہی پر مجتمع اور متفق ہونا لازم آتا ہے۔ (چہارم) احکام شریعت سے امن کا ارتفاع لازم آتا ہے یعنی یہ لازم آئے گا کہ احکام شریعت ساقط الاعتبار ہو جائیں اور کسی پر کوئی شرعی حجت قائم

نہ ہوسکے پنجم، صریح عقل کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اب اس اجمال کی تفصیل سنئے۔

محال اوّل (تدلیس)
در کلام خداوندی و کلام نبوی

خلفاء ثلاثہ کے عاصی ہونے کی صورت میں کلام الٰہی میں اس طرح تدلیس لازم آتی ہے کہ قرآن کریم صحابۂ کرام اور مہاجرین اور انصار اور بدریین اور اہل بیعت الرضوان کی مدح اور ثنا سے بھرا پڑا ہے جن میں خلفاءؓ ثلاثہ بھی داخل ہیں اور خود خلفاءؓ ثلاثہؓ کے حق میں بہت سی آیتیں نازل ہوئیں جن کی تفصیل ازالۃ الخفاء میں مذکور ہے پس اگر حضرت صدیق رضؓ اور حضرت فاروق رضؓ دربارۂ خلافت غاصب و جابر ہوتے تو ان کے حق میں یہ آیات مدح اور آیات بشارت جنت کبھی نازل نہ ہوتیں معلوم ہوا کہ انکی خلافت راشدہ تھی کیوں کہ ایسے غاصب اور جابر شخص کی مدح کرنا جو فسادِ عام اور شرِ تام کا مدار ہو یہی تدلیس عیب پوشی ہے اور حق جل شانہ کی ذات پاک تدلیس سے پاک اور منزہ ہے اللہ تعالیٰ کو چاہیئے تھا کہ ان کے غصب اور ظلم کو ظاہر فرماتے مگر بجائے اس کے مدح میں آیتیں نازل فرمائیں اور خلفاء ثلاثہ کے غاصب ہونے کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تدلیس اس طرح لازم آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں ان بزرگواروں کو جنت کی بشارت دی جس کو صحابہ رضؓ کی ایک کثیر جماعت نے روایت کیا پس اگر

یہ حضرات غاصب، اور جابر اور خائن اور ظالم ہوتے تو ہرگز ہرگز جنت کی بشارت کے مستحق نہ ہوتے اور معاذ اللہ پیغمبر خدا کا کسی غاصب اور جابر کو جنت کی بشارت دینا یہ تدلیس ہے یہ تو شیخین کا حال تھا اب رہے باقی صحابہ سو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو انھوں نے شیخین کی اعانت کی یا سکوت کیا۔ اگر اعانت کی تو لازم آئے گا کہ نعوذ باللہ کہ وہ سب ہی ظالم اور فاسق تھے کیونکہ ظالم کی اعانت بھی ظلم ہے قیامت کے دن اللہ تعالےٰ ظالمین اور ان کے معاونین کے حق میں فرمائے گا۔ احشروا الذین ظلموا وازواجهم۔ الآیۃ اور اگر سکوت فرمایا، تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں بلا کسی خوف کے سکوت کیا۔ یا کسی خوف اور ڈر کے مارے سکوت کیا اگر بلا خوف اور بلا کسی وجہ کے سکوت کیا تو نعوذ باللہ سب کا عاصی ہونا لازم آتا ہے اور اگر کسی خوف اور کسی وجہ کی بناء پر سکوت کیا تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں سب نے سکوت کیا یا اکثر نے سکوت کیا یا بعض اقل نے اگر یہ کہا جائے کہ سب صحابہؓ نے یا اکثر نے بوجہ خوف کے سکوت کیا، تو یہ ناممکن ہے اس لیے کہ اگر تمام صحابہؓ یا اکثر صحابہؓ کمر ہمت باندھتے تو شیخین کی خلافت بھی قائم نہ ہوتی ... مہاجرین اور انصار اگر شیخین کے معین اور مددگار نہ ہوتے تو شیخین کیسے خلیفہ ہوتے اگر یہ کہا جائے کہ خوف اقل اور بعض کو لاحق ہوا تھا تب بھی اکثر کا عاصی ہونا لازم آئے گا کہ اقل کے خوف سے اکثر خائف ہو گئے اور ڈر کے مارے غاصب اور ظالم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

محال دوم

کذب متواترات مرویہ از صادق ومصدوق

اور کذب متواترات اس طرح لازم آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا ذکر فرمایا ہے بعض میں اشارۃً اور بعض میں صراحۃً، اور بعض میں مجملاً اور بعض میں مفصلاً اور ان احادیث میں سے ہر حدیث اگرچہ خبر واحد ہے مگر ان کو جمع کیا جائے تو وہ غیر محصور اور متفق المعنی ہیں سب کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ یہ تینوں حضرات اپنے اپنے وقت میں خلیفہ ہوں گے اور ان کی خلافت حق ہوگی۔

محال سوم

اجماع اُمت مرحومہ بر ضلالت

خلفاء ثلاثہ کے غاصب ہونے کی صورت میں اُمت مرحومہ کا گمراہی پر مجتمع ہونا اس طرح لازم آتا ہے کہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت پر اجماع منعقد ہوا تمام مسلمان ان کو امیر المومنین اور خلیفۂ رسول اللہ کے لقب سے پکارتے تھے سب نے دل و جان سے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی اطاعت کو اپنی سعادت سمجھتے تھے پس اگر ان حضرات کی خلافت برحق تھی تو فہو المقصود اور اگر معاذ اللہ ان کی خلافت حق نہ تھی تو ان تمام مہاجرین اور انصار و تابعین اخیار کا گمراہی پر مجتمع اور متفق ہونا لازم

آتا ہے حالانکہ حق تعالےٰ نے اُمّت محمدیہ کو خیرالامم فرمایا ہے۔ کنتم خیرامۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیرالقرون قرنی ثم الذین یلونهم الحدیث اور فرمایا لا تجتمع امتی علی الضلالۃ میری اُمّت گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی۔

خلافت خاصہ کے بارہ میں کل اہل اسلام کے دو قول ہیں۔ کہ وہ خلیفہ خاص صدیق اکبر رضؓ تھے یا علی مرتضیٰ رضؓ ۔حق ان دونوں قولوں سے باہر نہیں مگر حضرت علی رضؓ نے حضرت صدیق رضؓ سے کوئی منازعت نہیں کی اور حضرت علی رضؓ کی یہ ترک منازعت دو حال سے خالی نہیں یا تو آپ نے کسی خوف اور ڈر کے وجہ سے منازعت کو ترک کیا تقیہ اور خوف کی شق تو باطل ہے اس لیے کہ حضرت علی مرتضیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عاجز نہ تھے اسد اللہ الغالب تھے بنی ہاشم سب آپ کے ساتھ تھے ابوسفیان جو بنی عبدشمس کے رئیس اور سردار تھے وہ بھی آپ کے موافق تھے حضرت عباسؓ اور حضرت زبیر رضؓ بھی آپ کے ساتھ تھے حضرت سیدہ زہراء آپ کی زوجیت میں تھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور داماد ہونے کا شرف بھی حاصل تھا اگر ایسے وقت میں اپنے لئے نص خلافت پیش کرتے تو سب کے سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ان حالات میں صدیق اکبر آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

اور اگر بلاتقیہ اور بلا کسی وجہ کے ترک منازعت کی تو لازم آئے گا کہ حضرت علی رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور اُمت کے حق میں خیانت کی اور عاصی اور خائن خلیفہ اور امام نہیں ہو سکتا اس لیے کہ حضرت علی رضؓ پر واجب تھا کہ اپنی خلافت کے بارہ میں نص نبوی کو ظاہر فرماتے اور غاصب اور مسلط کو اس سے الزام دیتے۔

بالفاظ دیگر یہ امر متواتر ثابت ہے کہ حضرت علی رضؓ نے اپنے عہد خلافت میں بارہا علی رؤس الاشہاد بر سر منبر یہ بیان فرمایا کہ افضل اُمت ابوبکر صدیق رضؓ تھے اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضؓ پس اگر ان کا یہ بیان ان کے مافی الضمیر کے مطابق تھا تو ہمارا مدعا اور مطلوب حاصل ہوا، اور یہی حق ہے اور اگر یہ بیان مافی الضمیر کے خلاف تھا تو دو حال سے خالی نہیں، اگر بلا ضرورت اور بلا تقیہ تھا تو بے ضرورت کسی غاصب اور ظالم کی مدح کرنا اور پھر مدح میں مبالغہ کرنا یہ تدلیس اور خیانت ہے بلکہ غایت درجہ کی کمزوری اور بزدلی ہے اور تدلیس اور خائن اور بزدل آدمی لائق امامت اور مستحق خلافت نہیں اور اگر حضرت علی رضؓ کا یہ بیان تقیہ، یعنی خوف اور ڈر کے بنا پر تھا تو در صورت خلافت اور بادشاہت خوف اور ڈر کے کیا معنی جو شخص خلیفہ اور بادشاہ ہونے کے بعد بھی مردوں سے ڈرتا ہو اس سے زیادہ کون بزدل ہوگا

محال چہارم ارتفاع امن از احکام شرع

شیخین کے غاصب اور ظالم ہونے کی صورت

میں ایک محال یہ لازم آئے گا کہ احکام شریعت سے امن اُٹھ جائے گا اس لیے کہ شیخین تو غاصب اور ظالم ہونے کی وجہ سے فاسق ٹھہرتے ہیں اور باقی صحابہؓ چونکہ اُن کے معین اور مددگار تھے اس لیے وہ بھی فاسق ٹھہرتے ہیں کیونکہ غاصب اور خائن کا معاون بھی ظالم اور فاسق ہی ہوتا ہے اور معاذ اللہ حضرت علی رضہ کا بھی فاسق ہونا لازم آتا ہے کیونکہ وہ بھی انہی ظالموں کے ساتھ رہے اور اگر سکوت بھی کیا تب بھی انہی کی اعانت ہوئی اور جب یہ سب گروہ فاسق ٹھہرا تو قرآن اور حدیث پر کیسے اطمینان کیا جائے قرآن کریم خلفائے ثلاثہؓ نے جمع کیا اور تمام صحابہؓ نے ان کی اعانت کی اور موافقت کی اور احادیث نبویہ اور دین کے احکام صحابہ کرام ہی کے ذریعہ سے امت تک پہنچے تو جو دین فاسقوں اور ظالموں کے ذریعہ پہنچے اس پر کیسے اطمینان کیا جائے اور جب قرآن اور حدیث اور ساری شریعت مشکوک ہو گئی تو امت کے پاس کیا چیز باقی رہی۔

محال پنجم مخالفت عقل صریح

اور خلفائے ثلاثہ کے غاصب اور ظالم ہونے کی صورت میں عقل صریح کی مخالفت اس طرح لازم آتی ہے کہ جب خلفائے ثلاثہ اور اُن کے معاونین سب کے سب غاصب اور ظالم اور منافق ٹھہرے اور سب کے سب حضور پُرنور کی وفات کے بعد اسلام سے برگشتہ ہو گئے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ سعادت میں جو کچھ جہاد و قتال کیا وہ صرف اسلام کی ظاہری صورت

کے لئے تھا کہ اُس وقت لوگ ظاہراً مسلمان ہوگئے قطع نظر اس سے کہ ایسے اسلام سے آخرت کا کوئی نفع اور فائدہ مرتب ہو دنیا کا بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا اور دنیا کا فائدہ یہ تھا کہ عالم کی اصلاح ہوتی اور عدل و انصاف کا دورہ ہوتا مگر بجائے عدل و انصاف کے ایک غاصبانہ اور جابرانہ حکومت قائم ہوگئی کیا عقل اس بات کی شہادت دے سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر مجاہدہ صرف اس لئے کیا تھا کہ لوگ اسلام میں ایک دروازہ سے داخل ہوں اور دوسرے دروازہ سے نکل جائیں اور آخرت کا کوئی نفع اور فائدہ اس پر مرتب نہ ہو اور اسلام میں ایک جابر اور غاصب حکومت قائم ہو جائے کہ جو شر و فساد میں جاہلیت سے بھی بڑھ کر ہو حاشا و کلا دین اسلام ایسے نتائج سے پاک ہے عقل سلیم اس قسم کی خرافات کو ایک لمحہ کے لئے بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

حقیقت فضل۔ اور فضل کلی اور فضل جزئی کا فرق

فضل کے لغت میں مطلق زیادتی کو کہتے ہیں اور عرف میں دو چیزوں میں سے ایک چیز کا دوسری چیز پر وصف مشترک میں زائد ہونے کا نام فضل ہے مثلاً دو شخص عالم ہیں اور مطلق صفت علم دونوں میں پائی جاتی ہے مگر ایک میں صفت علم دوسرے سے زیادہ پائی جاتی ہے تو یہ کہا جائے گا کہ یہ شخص علم میں دوسرے سے افضل ہے اس لئے کہ مطلق صفت دونوں میں مشترک ہے مگر ایک شخص اس

وصف مشترک میں دوسرے سے زیادہ ہے پس اس وصف مشترک میں زیادتی کا نام فضل ہے اور جو شخص اس فضل کے ساتھ موصوف ہوگا وہ افضل ہوگا۔

اور فضل کلی اس زیادتی کا نام ہے کہ جو جنس یا نوع کی صفات مخصوصہ اور اغراض مقصودہ کے اعتبار سے ہو اور جو زیادتی اوصاف غیر مقصودہ اور امور عارضہ کی وجہ سے ہو وہ فضل جزئی ہے مثلاً طبقۂ ملوک اور سلاطین میں فضل کلی کا معیار، تدبیر ملکی اور حسن سیاست کی زیادتی ہے جو بادشاہ دوسرے بادشاہ سے تدبیر ملکی حکمرانی اور عدل عمرانی میں زیادہ حاذق اور ماہر ہوگا وہ دوسرے سے افضل ہوگا اور اسی کو فضل کلی حاصل ہوگا۔

اور طبقۂ فقہاء میں فضل کلی اس شخص کو حاصل ہوگا کہ جو تفقہ اور استنباط اور اجتہاد میں دوسرے سے بڑھا ہوا ہوگا اور طبقۂ محدثین میں فضل کلی اس شخص کو حاصل ہوگا کہ جو حفظ اور ضبط اور ملکۂ استحضار میں فوقیت رکھتا ہوگا اور زمرۂ زرگراں اور آہن گراں میں ان کی اپنی اپنی صفت کے اعتبار سے زیادتی اور فوقیت کا اعتبار ہوگا اور اگر ان طبقات میں کسی کو ایسی فضیلت حاصل ہو کہ جس کا اصل علم اور اصل صفت سے تعلق نہ ہو مثلاً کوئی بادشاہ یا عالم یا کاریگر دوسرے بادشاہ یا عالم یا کاریگر سے شرافت نسبی یا حسن وجمال میں زیادہ ہو تو یہ فضیلت فضیلت جزئی ہوگی اس لئے کہ یہ فضیلت بادشاہت اور علم اور معرفت وصنعت کے اعتبار اور حیثیت سے نہیں بلکہ جنس اور نوع کے اوصاف غیر مقصودہ کے اعتبار سے ہے۔

پس جس طرح بادشاہ کا افضل ترین وزیر وہ شخص ہے کہ جو تدبیر ملکی اور سیاست مدنیہ اور عزل و نصب اور انتظام مملکت میں بادشاہ کا نمونہ ہو اور امور سلطنت میں بادشاہ کا دست و بازو ہو بادشاہ کے اغراض و مقاصد اس کے ہاتھ سے انجام پاتے ہوں اسی طرح نبی برحق کا افضل ترین خلیفہ وہ ہے کہ جو کمالات نبوت میں نبی کا نمونہ اور اس کی صفات فاضلہ کا آئینہ ہو اور نبی کا دست و بازو اور اس کا وجود دین کی عزت اور تقویت کا باعث ہو اور کارخانہ ملت اور اُمت کے انتظام اور انصرام میں نبی کا شریک حال ہو اور ملت کی نشر و اشاعت میں نبی اور اُمت کے درمیان واسطہ ہو اور اُمت کی تعلیم و تربیت منہاج نبوت پر کرے غرض یہ کہ جو خلیفہ صفات نبوت اور کمالات رسالت کی جہت سے نبی اور رسول کے زیادہ مشابہ اور قریب ہوگا اس کو فضیلت کلیہ حاصل ہوگی اور اگر کوئی خلیفہ ایسے اوصاف اور کمالات میں زیادہ ہوا کہ جو اصل نبوت کے لئے لازم نہیں جیسے حسن صورت اور قوت بطش اور علو نسب، وغیر ذلک تو یہ زیادتی فضیلت کلیہ نہ ہوگی بلکہ فضیلت جزئیہ ہوگی۔

معیار افضلیت

حق جل شانہ نے صحابہ کرام رضؓ کو ایک مرتبہ پر نہیں رکھا بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ادلۂ شرعیہ کے تتبع اور استقراء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فضیلت کا معیار دو امر ہیں، اوّل سوابق اسلامیہ دوم کمالات نفسانیہ، جیسے صدیقیت و

شہیدیت وحواریت اور آیات اور احادیث سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ حسن و جمال اور کثرت مال اور حسب و نسب وغیرہ وغیرہ ان امور کو فضیلت معتبرہ عند الشرع میں دخل نہیں کما قال تعالےٰ وَمَا اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُکُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا۔

سوابق اسلامیہ سے مراد یہ ہے کہ ایمان اور اسلام اور جہاد اور ہجرت اور دین کی نصرت اور اعانت میں اوّل اور سابق ہونا جیسا کہ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

والسابقون الاوّلون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنّٰت تجرى من تحتها الانهٰر. خٰلدين فيها ابدا ط ذلك الفوز العظيم ط ....

سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ہجرت اور نصرت میں گوئے سبقت لے جائے اور ایمان اور اسلام کے میدان امتحان میں جو نمبر اوّل آئے وہی افضل ہے۔ سوابق اسلامیہ کے متعلق حق جل شانہٗ کا ایک اور صریح ارشاد ہے وہ یہ ہے۔ لا يستوى القٰعدون من المؤمنين غير اولى الضرر والمجٰهدون

فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم فضل اللہ المجٰہدین باموالہم وانفسہم علی القٰعدین درجۃ ط وکلا وعد اللہ الحسنیٰ وفضل اللہ المجٰہدین علی القٰعدین اجرًا عظیما درجٰت منہ ومغفرۃ ورحمۃ وکان اللہ غفورًا رحیما۔

نیز حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے۔ وَمَا لکم الّا تنفقوا فی سبیل اللہ وَلِلّٰہ میراث السمٰوٰت والارض لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنٰی واللہ بما تعملون خبیر ط یہ دونوں آیتیں اس بات پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ تمام صحابہ رضؓ ایک مرتبہ پر نہ تھے بلکہ بعض بعض سے افضل تھے اور مدار افضلیت جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ پر ہے پس جو لوگ ابتدار اسلام سے تا زیست جان و دل سے شریک جہاد رہے اور مال سے دین اسلام کے معین اور مددگار رہے سر دفتر اُمت تھے اور منزلت علیا رکھتے تھے اور وہی افضل تھے۔

فائدہ

آخر آیت میں حق جلّ شانہٗ کے اس ارشاد وکلا وعد اللہ الحسنیٰ

سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضؓ میں سے وہ طبقہ کہ جس نے پہلے جہاد و قتال کیا اور خدا کی راہ میں فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اس طبقہ سے افضل ہے جس نے بعد میں جہاد کیا اور بعد میں خرچ کیا، اور دوسرا طبقہ اس پہلے طبقہ سے کم درجہ ہے لیکن وعدۂ حسنیٰ (جنت) کا دونوں سے ہے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ رضؓ خواہ قدیم الاسلام ہوں یا متأخر الاسلام سب کے سب جنتی ہیں اور سب سے وعدۂ حسنیٰ کا ہے اور جس سے حق جل شانہ حسنیٰ کا وعدہ فرمائیں وہ کبھی جہنم میں نہیں داخل ہو سکتا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ

نیز حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔ والذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ

پس اس آیت میں لفظ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ اس بات پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ جو لوگ ہجرت اور جہاد اور انفاق مال میں مقدم تھے وہ دوسروں سے زیادہ فضیلت رکھتے تھے۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ کتاب اللہ نے دو صفتوں کو معیار افضیلت قرار دیا ہے، ایک سوابق اسلامیہ، دوم کمالات نفسانیہ جن سے حق جل شانہٗ کا قرب خاص حاصل ہو صدیقیت اور شہیدیت سے اسی طرف اشارہ ہے اور سنت سنیہ اور احادیث نبویہ کے استقراء اور تتبع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معیار فضیلت چار خصلتیں ہیں۔

اوّل۔ اوصاف قرب معنوی یعنی اُمت کے اعلیٰ طبقہ سے ہونا یعنی صدیق یا محدّث من اللہ یا شہید ہونا۔

دوم۔ سوابق اسلامیہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان و مال سے مدد کرنا اور بوقت غربت اسلام کی ترویج اور اشاعت میں جدّوجہد کرنا اور اس کی ذاتی عزت و وجاہت سے اسلام کو عزت حاصل ہونا۔

سوم۔ کارہائے مطلوبۂ نبوت اور مقاصد ملت اس کے ہاتھوں سے انجام پانا۔

چہارم۔ قیامت میں درجات عالیہ کا اس کو حاصل ہونا اور صحابہ کرام ؓ نے اور چند اوصاف زائد کئے ہیں از انجملہ علم بکتاب و سنت ہے کہ ابوبکر ؓ سب سے زیادہ علم والے تھے۔ دوم حزم اور احتیاط اور حسن سیاست ہے سوم قوت و امانت جیسا کہ قرآن کریم میں ہے اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ

نہ کسی سے ڈرنا اور نہ کسی کی ملامت کی پرواہ کرنا اور نہ کسی کی رعایت کرنا، چہارم زہد اور ورع کہ بیت المال کی اس درجہ کڑی نگرانی کہ شبہات سے بھی اجتناب اور پرہیز ہو پنجم اخلاق مرضیہ غرض یہ کہ کسی نے مقام فضیلت میں کمالات کسبیہ کو ذکر کیا اور کسی نے کمالات جبلیہ اور نظریہ کو ذکر کیا کسی نے کوئی کمال ذکر کیا اور کسی نے کوئی اور کمال ذکر کیا اور حق یہ ہے کہ ان کی ذات ان تمام کمالات کی جامع تھی - لایبلغ الواصف المطری خصائصه وان یك سابقافی کل وصفا

اور یہ تمام صفات و کمالات جو احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ رضؓ میں اسباب فضیلت قرار دیئے گئے انہیں دو صفتوں کی شرح اور تفصیل میں جن کو قرآن کریم نے سبب افضلیت قرار دیا ہے یعنی (۱) کمالات نفسانیہ.... (۲) اور سوابق اسلامیہ جس قدر اوصاف در بارۂ افضلیت احادیث اور اقوال صحابہ رضؓ میں مذکور ہیں وہ سب کے سب انہیں دو صفتوں کی طرف راجع ہیں کہ جو قرآن کریم میں مذکور ہیں فرق فقط اجمال اور تفصیل کا ہے۔

فائدہ

فضائل دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ کہ جو انسان کی افضلیت کا باعث ہوتے ہیں اور جن کے ذریعہ سے انبیاء کرام کے ساتھ خاص تشبہ حاصل ہوتا ہے اور بارگاہ خداوندی میں قرب خاص کا ذریعہ ہوتے ہیں اور قسم دوم وہ فضائل ہیں

کہ جو بذاتہ شریعت میں معتبر نہیں جیسا کہ نسب اور مصاہرت قوت اور شجاعت اور فصاحت اور وجاہت کیوں کہ یہ اوصاف مسلمان اور متقی اور فاسق و فاجر سب کو یکساں حاصل ہوتے ہیں پس یہ اوصاف اگرچہ فی حد ذاتہ معتبر نہیں لیکن اگر یہ فضائل قسم اوّل کے فضائل کے ساتھ حاصل ہوں تو مزید زیادتی رونق کا باعث بن جاتے ہیں، اور بعض اوقات اس قسم کے فضائل کو فضائل معتبرہ میں اس لئے داخل کر لیا جاتا ہے کہ یہ فضائل قسم اوّل کے فضائل کا کہ جو در اصل فضائل ہیں ان کے اکتساب اور حصول کا ذریعہ بن جاتے ہیں ورنہ محض قسم دوم کے فضائل شریعت میں انسان کو بالا اور برتر بنانے کے لئے کافی نہیں اور ظاہر کہ بدون عقل و علم کے محض نسب اور مصاہرۃ انسان کو کیسے بلند اور برتر بنا سکتی ہے۔

اثبات افضلیت شیخین رضی اللہ عنہما

یعنی

اثبات افضلیت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما

افضلیت کے اس معیار کو سمجھ لینے کے بعد شیخین کی افضلیت بالکل واضح ہو جاتی ہے

۱

صدیق اکبر رضہ کا سوابق اسلامیہ میں سب سے سابق اور اول ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ابوبکر رضہ نے ابتداء بعثت سے جان و مال سے رسالت مآب کی مدد کی اور مکہ کی زندگی میں بارہا کفار مکہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور حفاظت کے لیے لڑے بھی حدیث میں ہے اِنَّ مِنْ اَمَنِّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِہٖ وَمَالِہٖ اَبُوْبَکْرٍ وَاَسَانِیْ بِمَالِہٖ وَنَفْسِہٖ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا شخص ابوبکر رضہ ہے جس نے اپنے مال اور جان دونوں سے میری مدد کی اور حدیث میں ہے کہ حضور پرنور نے ارشاد فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا مگر اس کے دو وزیر تھے اہل آسمان سے اور دو وزیر تھے اہل زمین سے۔ سو میرے دو وزیر آسمان والوں سے جبریل اور میکائیل ہیں اور اہل زمین سے ابوبکر رضہ و عمر میرے وزیر ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام امور میں

انہی دو حضرات سے مشورہ کرتے تھے اور آیۃ شاورہم فی الامر۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ دونوں ابوبکرؓ و عمرؓ دین کے حق میں بمنزلہ سمع اور بصر کے ہیں اور علیٰ ہذا ہجرت سے قبل حضرت عمرؓ کا کفار مکہ سے جہاد و قتال کرنا روایات کثیرہ سے ثابت ہے اور آپ کے مشرف باسلام ہونے سے جو اسلام کو قوت اور عزت اور غلبہ حاصل ہوا وہ اظہر من الشمس ہے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے پر قدرت ہوئی ورنہ اس سے پہلے مسلمان مسجد میں علانیہ طور پر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ غرض یہ کہ ان دونوں حضرات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان و مال سے اعانت کرنا اور غربت اور بےکسی کے وقت میں اسلام کی ترویج اور ان کے وجود سے اسلام کو عزت اور غلبہ کا حاصل ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

—— ۲ ——

اور کمالات نفسانیہ میں شیخین کا مقربین اور سابقین سے ہونا اس طرح ثابت ہے حضرت ابوبکرؓ عہد نبوت میں صدیق کے لقب سے ملقب ہوئے اور یہ فرمایا کہ اگر میں اپنی اُمت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا مگر وہ میرے بہترین بھائی اور دوست ہیں معلوم ہوا کہ خلت کے بعد جو درجہ اور مقام ہو سکتا ہے وہ ابوبکرؓ کو حاصل تھا اور حضرت فاروق اعظمؓ محدث اور ملہم کہلائے اور پھر شہید ہوئے اور

حسب ارشاد خداوندی ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین الآیۃ

اہل انعام کے طبقۂ علیاء یعنی صدیقین اور شہداء کے زمرہ میں داخل ہوتے، اور سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو اس طرح عرض و معروض کرنے کا حکم دیا ہے اہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت جو اس امر کی صریح دلیل ہے کہ جن لوگوں کے طریقہ پر چلنے کا حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ عنداللہ افضل تھے ورنہ مفضول اور مساوی کی طلب سراسر غیر معقول ہے اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی الذین انعمت علیھم میں داخل ہیں اور گزشتہ آیت نے یہ تعین کر دیا کہ الذین انعمت علیھم سے نبیین اور صدیقین اور شہداء مراد ہیں۔ اور احادیث متواترہ نے یہ تعین کر دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تھے اور حضرت عمر فاروقؓ شہید تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اُمت کے طبقۂ علیاء یعنی مقربین اور سابقین میں سے تھے اس لئے کہ آیات اور احادیث اس بات پر متفق ہیں کہ اُمت تین گروہ پر منقسم ہے اول مقربین اور سابقین دوم ابرار و مقتصدین سوم ظالم لنفسہ مبین اور مقربین اور سابقین اُمت کے سردفتر ہیں اور صدیقین اور شہداء منجملہ مقربین و سابقین ہیں اور شیخین کا صدیقین اور شہداء میں سے ہونا مسلم ہے اسی وجہ سے حسن بصری اور ابوالعالیہ سے صراط مستقیم کی تفسیر میں یہ منقول ہے

کہ صراط مستقیم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین ابوبکر رضؓ اور عمرؓ
کا طریقہ مراد ہے، اور حضرت ابی بن کعبؓ وصالح المؤمنین کی تفسیر شیخین ابوبکرؓ وعمرؓ
سے کرتے تھے اور شیخین کے ہاتھوں سے کارہائے نبوت کا انجام پانا بے شمار
احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً قرآن کریم کا بین الدفتین جمع ہونا اور احادیث نبویہ کی
نشر و اشاعت کرنا اور تحقیق کر کے احادیث کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ
کرنا اور لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جس کو حق جل شانہ نے اس اُمت
کی خیریت کا مدار اور معیار قرار دیا ہے کما قال تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت
للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔
اور شیخین کے ہاتھوں سے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کا درہم و برہم ہونا اور ان کے
بجائے اسلام کی حکومت کا قائم ہونا یہی وہ تمکین دین تھی کہ جو استخلاف کی غرض و غایت
تھی کما قال تعالےٰ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا
الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین
من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ
لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا اس آیت کے مصداق
خلفاء ثلاثہ ہیں۔ حق جل شانہ کی مراد تمکین دین مرتضیٰ انہیں بزرگواروں کے زمانہ خلافت
میں ظاہر ہوئی۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ الذین ان مکناھم فی الارض

اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونہوا عن المنکر واللہ عاقبۃ الامور۔

اور اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد الایۃ۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ استخلاف حق جل شانہٗ کی غرض وغایت دفع کفار واحیاء دین اسلام تھی۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثہا عبادی الصالحون اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد حق غیب الغیب میں قبل بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تھی کہ ارض شام صالحین کے ہاتھ پر فتح ہو جب دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ارض شام شیخین کے ہاتھ پر فتح ہوئی تو جان لیا کہ یہ گروہ صالحین ہے اور یہی اس آیت کے مصداق ہیں۔

نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں یا ایہا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ الایۃ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ علم الٰہی میں مقدر ہو چکا تھا کہ عنقریب فتنہ ارتداد ظہور میں آئے گا اور اس کا استیصال ایسی قوم کے ہاتھ سے ہوگا کہ جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہوگی کہ جو آیت میں مذکور ہیں اور یہ پیشین گوئی حضرت صدیق رضؓ کے

عہد خلافت میں پوری ہوئی نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونہم او یسلمون۔ اس آیت سے مفہوم ہوا کہ عنقریب ایک وقت آئے گا کہ خلیفۂ وقت لوگوں کو جہاد فارس اور روم کی دعوت دے گا اور شرعاً قوم پر اس کا حکم واجب الانقیاد ہوگا اور یہ پیشین گوئی شیخین کے عہد خلافت میں واقع ہوئی ان آیات میں اگرچہ زمان اور اشخاص کی تعیین نہیں لیکن جب آپ کی وفات کے بعد یہ تمام وعدے خلفاء ثلاثہ کے ہاتھ پر پورے ہوتے اور غیب سے اللہ تعالیٰ نے ان کی فوق العادت مدد فرمائی اور بے مثال ان کو فتح و نصرت اور بے نظیر کامیابی اور کامرانی ان کو نصیب فرمائی تو معلوم ہوگیا کہ قرآن کریم نے جس فتح و نصرت کی خبر دی تھی وہ یہی فتح اور نصرت ہے جو خلفاء ثلاثہ کو حاصل ہوئی اور جب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس نے مرتدین سے قتال کیا اور کس نے فتح فارس و روم کا سنگ بنیاد رکھا اور کس کے عہد خلافت میں یہ بلاد فتح ہوئے درحقیقت تمام روئے زمین بمنزلہ ایک پرندے کی تھی جس کا سر عراق تھا اور فارس اور روم اس کے دو بازو تھے اور ہندوستان اور انگلستان، یا ہندوستان اور ترکستان اس کے دو پر تھے پس بتلاؤ کہ اس پرندے کا سر کس نے کچلا اور اس کے بازو کس نے کاٹے یہی دو پر جو ان سے بچ رہے تھے تاحال باقی ہیں

ازالۃ الخفاء صہ ۲۴ مقصد دوم

اور پھر ان آیات قرآنیہ کے ساتھ ان ارشادات نبویہ کو ملا لیا جائے جو

خلفاء راشدین کے بارہ میں آئے ہیں مثلاً حدیث رؤیائے دلو[1]۔ وحدیث رویائے میزان اور حدیث رویائے ظلہ یہ تینوں حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں اور مثلاً حدیث وضع احجار اور حدیث تسبیح حصاۃ اگر ان احادیث کی طرف رجوع کیا جائے تو حقیقت امر اور بھی منکشف ہو جائے گی اور مسئلہ حل ہو جائے گا

اور پھر آپ کی یہ وصیت کہ میرے بعد ابوبکر رض و عمر کا اقتداء کرنا اور مرض الوفات میں ابوبکر رض کو اپنی جگہ پر کھڑا کر دینا۔ اگر اس قسم کے اشارات پر غور کرو تو انشاء اللہ تعالیٰ تصریحات سے بھی ابلغ اور الطف نظر آئیں گے اور یہ امر بخوبی واضح ہو جائے

---

[1] حدیث دلو سے وہ حدیث مراد ہے کہ جس میں یہ مذکور تھا کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ کنوئیں سے ڈول نکال رہا ہوں پھر مجھ سے ابن ابی قحافہ یعنی ابوبکر رض نے وہ ڈول لے لیا الخ اور حدیث میزان سے وہ حدیث مراد ہے کہ جس میں یہ مذکور تھا کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک ترازو لائی گئی جس میں آپ اور ابوبکر رض تولے گئے۔ الخ، اور حدیث ظلہ سے وہ حدیث مراد ہے کہ جس میں یہ مذکور تھا کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ ابر کا ٹکڑا ہے جس میں سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے۔ الخ اور حدیث وضع احجار سے وہ حدیث مراد ہے کہ جس میں یہ مذکور ہے کہ جب مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی تو سب سے پہلے آپ نے پتھر رکھا پھر ابوبکر رض نے۔ الخ اور حدیث تسبیح حصاۃ سے وہ حدیث مراد ہے جس میں یہ مذکور تھا کہ حضور کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور پھر ابوبکر رض کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ الخ یہ پانچوں حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں

تھا کہ تمام اشارات اسی اجمال کی تفصیل ہیں کہ جو آیات خلافت میں مندرج اور منطوی تھا اور یہ وہ خاص ہے کہ جو عموم قرآنی کے تحت مندرج تھا۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ جس طرح حضرات انبیاء کی اُمت پر فضیلت کا راز یہ ہے کہ وہ جارحۂ تدبیر الٰہی ہوتے ہیں اور ان کے ذریعہ اور اُن کے ہاتھوں اصلاح عالم اور ارشاد اُمت ظہور میں آتا ہے جیسا کہ وما رمیت اذ رمیت ولکنّ اللہ رمیٰ اس طرف مشیر ہے اسی طرح خلفاء کو رعیت پر فضیلت کا راز یہ ہے کہ خلیفہ کا وجود، نبی کے لئے بمنزلہ جارحہ اور بمنزلہ سمع اور بصر کے ہوتا ہے اور کارہائے نبوت اس کے ہاتھ پر پورے ہوتے ہیں اور علیٰ ہذا شیخین کا قیامت کے دن درجات عالیہ پر فائز ہونا یہ بھی احادیث صحیحہ اور معتبرہ سے ثابت ہے مثلاً حدیث میں ہے کہ حضور پُرنور نے شیخین کو کہول اہل جنت کا سردار فرمایا اور یہ فرمایا کہ حشر کے دن یہ دونوں میرے ساتھ اٹھیں گے وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ کہ شیخین میں یہ چاروں خصلتیں علی وجہ الکمال موجود تھیں جو مدار فضیلت، ہیں۔ اوّل کمالات نفسانیہ کے اعتبار سے اعلیٰ مراتب اُمت سے ہونا اور صدیقیت اور شہیدیت اسی سے عبارت ہے، دوم آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مدد کرنا اور بوقت عسرت وغربت اسلام کی ترویج میں پوری سعی کرنا سوم کارہائے مطلوبۂ نبوت کا شیخین

کے ہاتھوں پر پورا ہونا۔ چہارم قیامت کے دن شیخین کا درجات عالیہ پر فائز ہونا۔

دلیل دوم

شیخین کی افضلیت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سعادت میں لوگوں کی زبان پر یہ تھا کہ حضور پُر نور کے بعد افضل اُمت ابوبکر رض ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر رض ہیں اور ان کے بعد حضرت عثمان رض جیسا کہ بخاری کی حدیثوں میں ہے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ مشائخ ثلاثہ کی ترتیب مذکور کے ساتھ فضیلت، عہد نبوت ہی میں لوگوں کے زبان زد تھی اور کسی کو اس میں کوئی شک اور شبہہ نہ تھا اور نہ کسی کو اس ترتیب پر کوئی اعتراض تھا اور سقیفہ بنی ساعدہ اور دیگر مقامات میں جب کبھی خلیفہ کے متعلق کوئی گفتگو اور بحث ہوئی تو ابوبکر رض کے لئے لفظ خیر الامت اور لفظ افضل الناس اور لفظ احق بالخلافت اس طریق سے بولا گیا کہ گویا اُن کے نزدیک یہ امر پہلے ہی سے ایسا محقق تھا کہ احتیاج استدلال و احتیاج تحقیق و تفتیش نہ رکھتا تھا فقط اس کا یاد دلا دینا کافی تھا۔

دلیل سوم

افضلیت شیخین پر تمام صحابہ رض کا اجماع ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں، اور

صحابہ رض اور تابعین کے جو اقوال اور آثار اس بارہ میں منقول ہیں وہ شمار سے باہر ہیں تفصیل کے لئے ازالۃ الخفاء کی مراجعت کی جائے۔

دلیل چہارم

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، نے بوقت استخلاف عثمان غنی رض سے مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں جو بیعت کی اس میں یہ شرط لگائی کہ آپ کو اپنے زمانۂ خلافت میں شیخین کے طریقہ پر عمل کرنا اور ان کی سیرت پر چلنا ہوگا۔ دیکھو صحیح بخاری ص کتاب الاحکام و فتح الباری ص و قسطلانی ص

مجمع عام میں عثمان غنی رض کے ہاتھ پر اس شرط پر بیعت کی گئی اور حاضرین نے اس کو تسلیم کیا یہ بھی شیخین کی افضلیت کی قطعی دلیل ہے اس لئے کہ ایک خلیفۂ مجتہد کو اپنے سے مفضول یا مساوی کے طریقہ پر چلنے کی دعوت دینا سراسر غیر معقول ہے

دلیل پنجم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ امر بطریق تواتر ثابت ہے کہ آپ اپنے ایام خلافت میں برسرِ منبر اور برسرِ مجالس بہ ترتیب خلافت افضلیت شیخین کو بیان فرماتے تھے اور جو لوگ کسی غلط فہمی کی بنا پر اس مسئلہ میں اختلاف رکھتے تھے ان کو زجر و توبیخ فرماتے اور فقہاء صحابہ رض اس وقت حاضر تھے کسی نے کبھی اس کا انکار نہیں

کیا اور اس بارہ میں صحابہ رضؓ اور تابعین کے اقوال حد تواتر کو پہنچے ہیں۔

(ازالۃ الخفاء ص۱۲ ج۲)

اثبات افضلیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

— ۱ —

قرآن کریم اور دین اسلام کے مسلمات میں سے ہے کہ نبی کے بعد درجہ صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

(۱) فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا۔

پس یہ لوگ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ حضرات اچھے رفیق ہیں۔

(۲) ما المسیح بن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ۔

مسیح ابن مریم نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے اور ان کی ماں صدیقہ ہے۔

(۳) والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ اولئک ھم الصدیقون والشھداء عند ربھم۔

اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر وہی لوگ صدیق اور شہید ہیں، ان کے رب کے نزدیک۔

اور ابوبکر رضا کا صدیق ہونا احادیثِ صحیحہ اور مہاجرین اور انصار کے اتفاق سے ثابت ہے اور علیٰ ہذا ائمہ اہل بیت کے بے شمار اقوال سے ابوبکر رضہ کا صدیق ہونا ثابت ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنے زمانۂ خلافت میں برسرِ منبر بارہا ابوبکر رضہ کا صدیق ہونا بیان فرمایا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت بلافصل کے مستحق ابوبکر صدیق رضہ ہیں اور انہی کے ہاتھ پر تمام مہاجرین و انصار نے دل وجان سے بیعت کی۔

صدیق کی تعریف

صدیق ، وہ شخص ہے کہ جس کے ظاہر و باطن میں صدق اس درجہ سرایت کر گیا ہو کہ ذرہ برابر اس میں کذب کی گنجائش نہ رہی ہو اور بدون کسی توقف اور تامل کے اور بدون طلب معجزہ کے اور بدون صحبت و ہم نشینی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّل وہلہ میں رسول ؐ کی رسالت کی تصدیق کرے۔

—— ۲ ——

حق تعالیٰ جل شانہٗ نے قرآن کریم میں ابوبکر صدیق رضہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی بتلایا ہے۔

—— ۳ ——

حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں ابوبکر رضہ کو اَتقیٰ فرمایا ہے اس لئے کہ آیت

وسیجنبها الاتقی الذی یوتی مالہٗ یتزکیٰ ط

بالاجماع ابوبکر رضؓ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ اس لئے کہ صدیق اکبر رضؓ یا تو بوجہ قرائن بدلالت اولیٰ الاتقیٰ کے اوّلین مصداق ہیں یا یہ کہ الاتقیٰ سے معہود اور معین شخص مُراد ہے اور وہ حضرت صدیق رضؓ تھے۔

اور اللہ کے نزدیک سب سے افضل وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔

—— ۴ ——

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں حضرت ابوبکر رضؓ کو نماز کا امام مقرر کیا اور امامت میں اپنا قائم مقام بنایا صحابہ رضؓ نے سمجھ لیا کہ جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری آخرت کے لئے پسند کیا وہ بلاشبہ ہماری دنیا کی امامت کے لئے بدرجہ اولیٰ پسندیدہ ہوگا۔

اور حضرات شیعہ کے نزدیک تو سوائے اشرف اور افضل کے امام بنانا جائز ہی نہیں اور اہل سنت کے نزدیک اگرچہ جائز ہے مگر افضل اور بہتر یہی ہے کہ افضل کو امام بنایا جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہمیشہ اُن کے پیچھے نماز پڑھتے رہے اور کبھی بھی حضرت علی رضؓ نے خلفاء کے زمانہ میں یہ نہیں فرمایا کہ خلافت اور امامت کا مستحق میں ہوں رہا شیعوں کا یہ حیلہ کہ حضرت امیر تقیہ کئے ہوئے تھے، یہ غلط ہے۔ حضرت معاویہؓ

کے مقابلہ میں کیوں نہ تقیہ کیا۔ اور الا لا ایمان لمن لا تقیۃ لہٗ پر کیوں نہ عمل کیا۔ نیز یہ امر بطریق تواتر ثابت ہے کہ حضرت امیر اپنے زمانہ خلافت میں خلفائے ثلاثہ کی تعریف اور فضائل بیان کیا کرتے تھے۔ اب اگر وہ تقیہ تھا تو ہم پوچھتے ہیں کہ امیر المؤمنین کیسے شیرِ خدا اور اسد اللہ الغالب تھے۔ خلفائے ثلاثہ کے انتقال کے بعد بھی سالہا سال خوف سے ان کی تعریف کرتے رہے۔

افسوس کہ شیرِ خدا ہو اور بادشاہ و خلیفہ بھی ہو اور مردوں سے خائف ہو جو شخص ایسا ہو کہ مُردوں سے بھی ڈرتا ہو وہ عقلاء کے نزدیک مستحق خلافت نہیں، اس لئے کہ وہ بزدل ہے۔ معاذ اللہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تو ایسے بزدل اور نامرد نہ تھے۔ حضرات شیعہ جس علی کے احوال بیان کرتے ہیں شاید وہ کوئی اور علی ہوں گے۔

— ۵ —

فاروق اعظم رضؓ صدیق اکبر رضؓ کی خلافت پر کبھی تفویض امامت نماز سے استدلال فرماتے اور کبھی سوابق اسلامیہ سے استدلال فرماتے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ فاروق اعظم رضؓ نے صدیق اکبر رضؓ کے انعقاد خلافت کے وقت یہی بیان فرمایا کہ کیا حضرت ابوبکر رضؓ ہم سب میں اکمل اور افضل نہیں اور کیا بوقت ہجرت غار میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے کی آپ کو خاص فضیلت حاصل نہیں اور کیا ہم سے ہر ایک نیک کام میں پیش قدمی کرنے والے نہ تھے۔ یہ کہہ کر حضرت فاروق رضؓ نے ابوبکر صدیق رضؓ سے بیعت کرنے

کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اُن کے دست مبارک پر بیعت کی، پھر پیچھے بعد دیگرے اور لوگوں نے بیعت کی۔

وسمیت صدیقا وکل مہاجر — سواک یسمی باسمہ غیر منکر
سبقت الی الاسلام واللہ شاہد — وکنت جلیسا بالعریش المشہر
وبالغار اذ سمیت بالغار صاحبا — وکنت رفیقا للنبی المطہر

قال سعید بن المسیب کان ابو بکر الصدیق من النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکان الوزیر فکان یشاورہ فی جمیع امورہ وکان ثانیہ فی الاسلام وکان ثانیہ فی الغار وکان ثانیہ فی العریش یوم بدر وکان ثانیہ فی القبر ولم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقدم علیہ احدا۔

سعید بن مسیب کا قول ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بمنزلہ وزیر کے تھے۔ کہ تمام امور میں اُن سے مشورہ لیتے تھے اور ابوبکرؓ حضرت کے اسلام میں بھی ثانی تھے اور بدر کے دن عریش میں بھی ثانی تھے اور قبر میں بھی حضورؐ کے ثانی ہیں یعنی اس عالم میں تو ثانی تھے ہی عالم آخرت میں، بھی حضورؐ کے ثانی اور رفیق ہیں۔ اور حضور پُر نور اپنی زندگی میں کسی کو ابوبکرؓ پر مقدم نہ رکھتے تھے۔

(ازالۃ الخفاء ص۲۳۵)

حضرت عمرؓ کی افضلیت

حضرت ابوبکرؓ کے بعد، مرتبہ فاروق اعظم کا ہے جیسا کہ احادیث مرفوعہ میں صراحۃً مذکور ہے۔

کنا نخیر فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنقول ابو بکر رضی اللہ عنہ خیر ہذہ الامۃ ثم عمرؓ ثم عثمانؓ (بخاری شریف)

صحابہؓ کہتے ہیں کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں باہمی فضیلت کا ذکر کیا کرتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے کہ اس اُمت میں سب سے بہتر ابوبکرؓ ہیں اُن کے بعد عمر اور عمر کے بعد عثمان رضی اللہ عنہم۔

۲ نیز حضرت صدیق اکبرؓ نے جب وفات کے وقت حضرت عمرؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تو بعض لوگوں نے ان سے شکایت کی کہ تم ہم پر ایک سخت آدمی مقرر کر کے جا رہے ہو۔ خدا تعالیٰ کو کیا جواب دو گے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا۔

ابربی تخوفونی اقول اللھم استخلفت علیہم خیر خلقک (اخرجہ ابن ابی شیبۃ)

کیا تم مجھے پروردگار کا واسطہ دے کر ڈراتے ہو۔ میں حق تعالیٰ سے یہ عرض کروں گا کہ اے اللہ میں نے لوگوں پر ایسے

شخص کو خلیفہ مقرر کیا جو تیری مخلوق میں
سب سے زیادہ بہتر تھا۔

نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے باسانید صحیحہ منقول ہے کہ کوفہ میں برسرِ منبر اپنی عہد خلافت میں یہ فرمایا کرتے تھے۔

خیر ھذہ الامۃ ابو بکر — اس اُمت میں سب سے بہتر ابوبکر صدیق رضؓ
ثم عمر۔ — اور اس کے بعد عمر رضؓ ہیں،

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے برسرِ منبر اس اعلان واجب الاذعان کے روایت کرنے والے حضرات ذیل ہیں۔

محمد بن الحنفیہ (حضرت علی رضؓ کے صاحبزادے) اور ابو جحیفہ اور علقمہ اور نزال بن سبرہ اور عبد خیر اور حکم بن حجل وغیرہ ہر ایک سے یہ روایت بطرق متعددہ منقول ہے نیز حضرت علی سے بسند مستفیض مروی ہے کہ اپنی مجالس میں یہ فرمایا کرتے تھے۔

سبق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ثنی ابو بکر و ثلث عمر ثم خبطتنا فتنۃ رواہ عبداللہ بن احمد فی زوائد المسند والحاکم وغیرہما۔ — اوّل درجہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ پھر دوسرے درجہ میں ابوبکر رضؓ تھے پھر تیسرے درجہ میں عمر رضؓ تھے۔ پھر اس کے بعد فتنہ نے ہم کو پریشانی اور حیرانی میں ڈال دیا۔ اس روایت کو عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں اور حاکم وغیرہ

سے روایت کیا ہے۔

نیز حضرت علی رضؓ سے بطریق شہرت منقول ہے، کہ جب فاروق اعظم رضؓ کا جنازہ لاکر رکھا گیا تو حضرت علی رضؓ نے جنازہ کی طرف اشارہ کرکے یہ فرمایا۔

ما من احد احب الی ان القی اللہ بما فی صحیفۃ من ھذا المسجی اخرجہ الحاکم من طریق سفیان بن عیینۃ عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر رضی اللہ عنہ واخرجہ محمد بن الحسن عن ابی حنیفۃ عن ابی جعفر الباقر عن علی مرسلا۔	اس کفن پوش سے بڑھ کر کوئی شخص مجھ کو محبوب اور پسند نہیں کہ اس جیسے اعمال نامہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں اس حدیث کو حاکم نے سفیان بن عیینہ سے اور انھوں نے حضرت جعفر رضؓ سے اور انھوں نے اپنے والد حضرت باقر سے اور انھوں نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور اس روایت کو امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے اور انھوں نے ابوجعفر یعنی امام باقر سے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

اور اسی پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ ابوبکر رضؓ کے بعد عمر رضؓ کا مرتبہ ہے اور اسی پر تابعین کا اجماع ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت

اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت عمر فاروق رضؓ کے بعد حضرت عثمان رضؓ کا مرتبہ ہے اور ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا مرتبہ ہے یعنی حضرت عمر رضؓ کے بعد حضرت عثمان رضؓ اپنے زمانے کے تمام صحابہ رضؓ سے افضل اور اکمل تھے اور باجماع صحابہ رضؓ خلیفہ برحق اور امام مطلق مقرر ہوئے اور اسی طرح حضرت عثمان رضؓ کے بعد، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اپنے زمانے میں تمام صحابہ رضؓ سے افضل و اکمل تھے۔

اہل سنت کے نزدیک فضیلت کی ترتیب وہی ہے جو خلافت کی ترتیب ہے اور خلافت کی ترتیب، فضیلت کی ترتیب پر مبنی ہے فضیلت کی ترتیب خلافت کی ترتیب پر مبنی نہیں خوب سمجھ لو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت خلافت کو چھ صحابہ رضؓ میں دائر فرما دیا تھا جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

حضرت عثمان رضؓ، حضرت علی رضؓ، حضرت طلحہ رضؓ، حضرت زبیر رضؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ۔ ان سب حضرات نے اپنی رائے کو عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کی رائے پر منحصر کر دیا کہ جس کو یہ خلیفہ مقرر کر دیں وہی خلیفہ ہیں عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔

واللہ علیّ ان لا الو عن افضلکم۔	اللہ مجھ پر شاہد اور نگہبان ہے کہ میں انتخاب میں کوتاہی نہ کروں گا۔ خدا کی

قسم جو تم میں افضل ہوگا۔ اسس کو منتخب کروں گا۔ بخاری شریف صـ۵۲۵ باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علیٰ عثمان وکذا فی فتح الباری صـ۵۵ جلد ۷

مجلسِ شوریٰ نے اگرچہ انتخاب کا پورا اختیار عبدالرحمٰن بن عوف رضہ کو دے دیا تھا لیکن عبدالرحمٰن رضہ نے تنہا اپنی رائے سے فیصلہ مناسب نہ سمجھا۔ تین رات تک تمام اہلِ حل وعقد اور اہل الرائے سے فرداً فرداً اس بارہ میں مشورہ لیتے رہے۔ اس وقت مدینہ منورہ میں تمام بلادِ اسلامیہ کے امرا یعنی گورنر بھی موجود تھے جو حضرت عمر رضہ کے ساتھ حج سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تھے۔

۱۔ امیر شام حضرت معاویہ رضہ ، ۲۔ امیر حمص حضرت عمر بن سعد رضہ ، ۳۔ امیر کوفہ حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضہ ، ۴۔ امیر بصرہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضہ ، ۵۔ امیر مصر حضرت عمرو بن العاص رضہ ، کذا فی فتح الباری صـ۱۷۱ ج ۱۳ باب کیف یبایع الامام الناس۔

بخاری کی روایت میں ہے۔

فلما ولوا عبدالرحمٰن امرھم فمال الناس علی عبدالرحمٰن یشاورونہ تلک اللیالی۔

یعنی مجلس شوریٰ نے انتخاب کا اختیار عبدالرحمٰن بن عوف رضہ کو دیدیا تو لوگ عبدالرحمٰن کی طرف متوجہ ہوئے اور کئی رات تک مشورے ہوتے رہے کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے۔

دارقطنی کی روایت میں اس قدر اضافہ ہے۔

ذاد الزبیدی فی روایۃ عن الدارقطنی فی غرائب مالکؒ عن الزہری لا یخلو بہ رجل ذو رأی فیعدل بعثمان احدا۔
قسطلانی ص۲۵۲ ج۱۰ کتاب الاحکام

امام مالک زہری سے راوی ہیں، کہ جو ذی رائے بھی عبدالرحمٰن رض سے خلوت میں ملتا تھا وہ عثمان غنی رض کے برابر کسی کو نہیں قرار دیتا تھا۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ مداینی نے بخاری کی روایت میں اس قدر زیادہ روایت کیا ہے۔

ان سعدا اشار علیہ بعثمان وانہ دار تلک اللیالی کلہا علی الصحابۃ ومن وافی المدینۃ من اشراف الناس لا یخلو برجل منہم الا امرہ بعثمان فتح الباری ص۱۶۵ جلد ۷۔
کتاب المناقب قصۃ البیعۃ بعد عمر۔

سعد بن ابی وقاص رض نے عبدالرحمٰنؓ کو یہ مشورہ دیا کہ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کرلینا۔ عبدالرحمٰنؓ تین رات تک اس بارہ میں صحابہؓ سے مشورہ کرتے رہے اور خصوصاً ان اکابر اور اشراف سے بھی جو حضرت عمر رض کے ساتھ اس وقت مدینہ آئے ہوئے تھے جس شخص سے بھی خلوت اور تنہائی میں ملتے تو یہی مشورہ اور حکم دیتا کہ حضرت عثمان رض کو خلیفہ مقرر کرو۔

تین شب گزرنے کے بعد جو صبح آئی تو صبح کی نماز کے بعد حاضرین مسجد کے علاوہ مجلس شوریٰ کے یہ چھ رکن جن کو حضرت عمرؓ مشورہ کے لئے معین فرما گئے تھے ۔ ممبر نبوی کے قریب جمع ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے امرائے بلاد اسلامیہ اور دیگر اشراف اور ذی رائے مہاجرین اور انصار کو جو اس وقت موجود نہ تھے بلانے کے لئے آدمی بھیج دیا۔

فلما اجتمعوا تشهد عبدالرحمن و
فی رواية جلس عبدالرحمن
علی المنبر ثم قال اما بعد یا
علی انی قد نظرت فی
امر الناس فلم ارهم یعدلون
بعثمان فلا تجعلن علی نفسك
من اختیاری بعثمان سبيلاً
ای ملامة فقال عبدالرحمن
مخاطباً بعثمان ابايعك علی
سنة الله وسنة رسوله
والخليفتين ابی بكر و عمر
من بعده فقال عثمان نعم

جب سب جمع ہو گئے تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ
ممبر پر چڑھے اور خطبہ دیا اور حمد وثنا کے بعد
کہا اے علیؓ میں نے لوگوں کی رائے اور
مشورہ میں نظر کی کہ کوئی شخص ایسا نہیں پایا
کہ جو عثمان غنی رضؓ کے برابر کسی کو سمجھتا ہو بلکہ
سب انہی کو افضل اور احق بالخلافۃ سمجھتے
ہیں۔ اس لئے میں عثمان رضؓ کو خلیفہ مقرر
کرتا ہوں۔ پس تم اس انتخاب کے بارہ میں
میری طرف سے کوئی خیال شکایت کا نہ
لانا اس لئے کہ میں نے جو کچھ کیا وہ اپنی
تنہا رائے سے نہیں کیا سب کے اتفاق
اور مشورہ سے کیا اس کے بعد عبدالرحمٰنؓ

فبایعہ عبدالرحمٰن وبایعہ الناس والمہاجرون والانصار وامراء الاجناد والمسلمون۔
بخاری شریف وقسطلانی ص ۲۵۴ ج ۱۰
کتاب الاحکام

نے حضرت عثمانؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں تم سے اس شرط پر خلافت کی بیعت کرنا چاہتا ہوں کہ تم اللہ اور اس کے رسول کے طریقہ پر چلو گے اور اس کے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کے طریقہ کی پیروی کرو گے عثمان غنی رضؓ نے کہا ہاں مجھ کو منظور ہے۔ اس اقرار کے بعد حضرت عثمان غنی رضؓ کے ہاتھ پر عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے بیعت کی اور تمام، مہاجرین اور انصار اور بلاد اسلامیہ کے تمام امراء نے اور تمام مسلمانوں نے بیعت کی۔

اور بخاری کی دوسری روایت میں ہے۔

قال ارفع یدک یا عثمان فبایعہ وبایع لہ علی وولج اھل الدار فبایعوہ۔
(بخاری شریف ص ۵۲۵ کتاب المناقب)
(فتح الباری ص ۵۶ ج ۷، فتح الباری ص ۱۱۱ ج ۱۲۔ کتاب الاحکام۔

حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ بیعت کے لئے اپنا ہاتھ بڑھائیے حضرت عثمان رضؓ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور پھر حضرت علی رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد ازاں تمام اہل مدینہ ٹوٹ پڑے اور سب نے حضرت عثمان رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

رہا یہ امر کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے اپنے خطبہ میں صرف حضرت علی رضؓ کو کیوں

مخاطب فرمایا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجلس شوریٰ کے چھ ارکان میں سے چار حق خلافت سے دست بردار ہو چکے تھے اور خلافت صرف حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض کے درمیان دائر رہ گئی تھی، اور حضرت علی رض کو کسی درجہ میں توقع بھی تھی۔ اس لئے عبدالرحمن بن عوف رض نے حضرت علی رض کو خاص طور پر مخاطب کرکے یہ الفاظ کہے، حضرت علی رض نے اس کے بعد کوئی حرف نہیں کہا اور اسی وقت بلاتامل اور بلاکسی تردد کے اسی مجلس میں سب کے ساتھ حضرت عثمان رض کے ہاتھ پر بیعت کی۔

اس طرح باتفاق رائے صحابہ کرام حضرت عثمان رض خلیفہ مقرر ہوئے اور ان تمام روایات صحیحہ اور صریحہ سے یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک فرد کو بھی حضرت عثمان رض کی افضلیت میں کسی قسم کا کوئی تردد نہ تھا۔ سب نے بالاتفاق ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے افضل اور اکمل سمجھ کر اپنا خلیفہ اور امیر بنایا۔

حافظ ابن تیمیہ منہاج السنہ ص۲۳۳ ج ۳ میں فرماتے ہیں۔

اسی بنا پر امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ لوگ کسی کی بیعت پر اتنے متفق نہیں ہوئے جیسا کہ عثمان غنی رض کی بیعت پر متفق ہوئے مسلمانوں نے تین دن کے مشوروں کے بعد عثمان غنی رض کو اپنا خلیفہ بنایا اور وہ، سب اس پر متفق تھے اور اس انتخاب،

ولهذا قال الامام احمد لم يتفق الناس على بيعة كما اتفقوا على بيعة عثمان ولاه المسلمون بعد تشاورهم ثلاثة ايام وهم مؤتلفون متفقون متحابون متوادون

معتصمون بحبل الله جميعا فلم	کو غایت درجہ محبوب اور پسندیدہ جانتے
يعدلوا بعثمان غيره كما	تھے اور سب کے سب اللہ کی رسّی دینؐ
اخبر بذلك عبد الرحمٰن بن	کو مضبوط پکڑے ہوئے تھے اور اس
عوف ولهذا بايعه عبد الرحمٰن	وقت کسی کو عثمان رضؓ کے برابر نہیں سمجھتے
كما ثبت هذا في الاحاديث	تھے جیسا کہ عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ نے اس
الصحيحة كذا في منهاج السنة	کی خبر دی اور اسی بناء پر سب سے پہلے
ص۲۳۳ ج ۳ . وكذا في المنتقى	اُنکے ہاتھ پر بیعت کی اور ایسا ہی احادیث
للحافظ الذهبي ص۴۰۲ .	صحیحہ سے ثابت ہے۔

اب اس تحقیق سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ بعض اہلِ علم جیسے علامہ تفتازانی جن کو اس بارہ میں تردّد لاحق ہے کہ حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ میں باہم کون افضل ہے۔ حضرت عثمان رضؓ افضل تھے یا حضرت علی رضؓ افضل تھے۔

ان کا یہ تردّد صحیح نہیں اس لئے کہ جن صحابہ کرام نے حضرت عثمان رضؓ کو تین دن کے مشوروں کے بعد بلا کسی اختلاف کے اپنا خلیفہ منتخب کیا ان کو حضرت عثمان رضؓ کی افضلیت میں ذرہ برابر کوئی شبہ اور تردّد نہ تھا۔ بلا کسی تردّد اور بلا کسی اختلاف اور بلا کسی بحث، کے حضرت عثمان رضؓ کو سب سے افضل سمجھ کر خلیفہ مقرر کیا اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کا مرتبہ حضرت علی رضؓ سے بڑھا ہوا ہے۔ حضرت عثمان رضؓ کی افضلیت میں تردّد کرنا درپردہ تمام صحابہ کرام کو خاطی قرار دینا ہے۔ صحابہ کرام کے اجماع

کے بعد توقف اور تردد بلکہ سکوت کی بھی گنجائش نہیں، البتہ شیخین کی افضلیت قطعی اور یقینی ہے۔ اور حضرتِ عثمان رضہ کی افضلیت ذرا اس سے کم ہے، اور ایسا اجماع کہ جس میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہو وہ علماء کے نزدیک دلیل قطعی ہے۔ اور جس میں کچھ اختلاف ہو، وہ قطعیت کے درجے سے اتر کر ظنیت کے درجے پر آجاتا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ شیخین کے بعد افضل حضرت عثمان رضہ ہیں اور پھر حضرت علی رضہ اور ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعی رحہ اور امام احمد رحہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور بعض علماء نے جو امام مالکؒ سے حضرت عثمانؓ کی افضلیت کے بارہ میں توقف نقل کیا ہے تو اس کے بارے میں قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے توقف سے حضرت عثمان رضہ کی تفضیل کی طرف رجوع فرمایا۔ اور امام قرطبی فرماتے ہیں۔ وھو الصحیح انشاء اللہ تعالیٰ[1] اس کے بعد امام ابوحنیفہ رحہ کے ایک ارشاد کو نقل فرمایا کہ امام اعظم رحہ سے منقول ہے۔ من علامات اھل السنۃ والجماعۃ تفضیل الشیخین ومحبۃ الختنین شیخین (ابوبکر رضہ وعمر رضہ) کی افضلیت کا اعتقاد اور ختنین (عثمان رضہ وعلی رضہ) کی محبت اہل سنت والجماعت کی علامتوں میں سے ہے اس عبارت سے بادی النظر میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضہ وحضرت علی رضہ میں کوئی فرق مرتبہ نہیں۔ مجدد صاحب اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس عبارت سے امام ابوحنیفہ رحہ کا مقصود توقف اور مساوات کا بیان کرنا نہیں بلکہ اس

تعبیر کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضؓ و حضرت علی رضؓ کے زمانے میں فتنے اور فسادات رونما ہوئے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف سے بدظنی اور کدورت آگئی اس لئے امام اعظم رحؒ نے ان کے حق میں محبت کا لفظ اختیار فرمایا۔ اور صرف ان کی محبت کو اہل سنت کا شعار اور علامت قرار دیا، اس تعبیر اور عنوان سے توقف پیش نظر نہیں بلکہ ان حضرات کی طرف سے کدورت اور بدگمانی کے زائل کرنے کے لئے لفظ محبت کا اختیار فرمایا اور بھلا امام اعظم رضؓ کی طرف سے توقف یا عدم تفضیل کا خیال کیسے کیا جاسکتا ہے جبکہ تمام کتب حنفیہ اس مضمون سے بھری پڑی ہیں کہ انکی افضلیت ترتیب خلافت پر ہے۔ دیکھو مکتوب عقائد نمبر ۲۶۶

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت عثمان رضؓ باجماع اہل حل وعقد بلا کسی تردد کے خلیفہ مقرر ہوئے

اجماع اہل حل وعقد کی حقیقت وصفت

آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ہم جیسے بے سروسامان نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جو دین اور دنیا کے اعتبار سے عزت اور حیثیت والے ہوتے ہیں جس کام کے لئے وہ کھڑے ہو جائیں تو دس آدمی کھڑے ہو جائیں گے اور جس کام سے وہ بیٹھ جائیں تو لوگ بھی بیٹھ جاتے ہیں سو ایسے آدمیوں کو اپنی اپنی حیثیت کے اہل حل وعقد کہتے ہیں حل کے معنی کھولنے کے ہیں اور عقد کے معنی باندھنے اور گرہ لگانے کے ہیں سو یہ لوگ بھی ایسے ہی ہیں کہ امور مبہمہ ان کے کھولنے سے کھلتے ہیں

اوران کے گرہ لگانے سے بند ہتے ہیں جیسے قضاۃ اور امراء و رؤسا اور علماء و صلحاء،
جس بات پر متفق ہو جائیں تو یہ اتفاق ، اجماع اہل حل و عقد کہلاتا ہے کہ ایسے ہی لوگوں
کے باندھنے سے امور بندھتے ہیں اور انہیں کے کھولنے سے کھلتے ہیں جس طرح حضرت
ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کی خلافت اہل حل و عقد (مہاجرین و انصار) کے اتفاق سے منعقد
ہوئی اسی طرح حضرت عثمان رضؓ کی خلافت بھی اہل حل و عقد کے اجماع سے منعقد ہوئی

حضرت عثمانؓ کے فضائل اور مآثر

۱۔ آپ کے فضائل میں سے یہ ہے کہ آپ قریش میں عالی نسب اور نجیب الطرفین
تھے پانچویں پشت میں آپکا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔
۲۔ سابقین اولین میں ہیں حضرت صدیق اکبر رضؓ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔
۳۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ۴۔ آپ اسلام لانے سے پہلے قریش میں بہت
بڑے مال دار اور سخی اور کریم تھے حیا اور سخاوت میں مشہور ہیں۔
۵۔ اسلام لانے کے بعد دو مرتبہ ہجرت کی اوّل بجانب حبشہ دوم بجانب مدینہ منورہ
اور قائم اللیل اور صائم الدھر تھے۔ ۶۔ مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور اُم کلثوم یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں۔ اس
لئے آپ ذی النورین کے لقب سے ملقب ہوئے۔
۷۔ تمام مشاہد خیر میں شریک رہے۔ بیرِ رومہ خرید کر وقف کیا۔ اور جیش عسرت یعنی

غزوہ تبوک میں بے مثال امداد کی۔

۸۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حیاء کی خاص طور پر تعریف کی اور بار بار، ان کو جنت کی بشارت دی اور اپنی رفاقت کا مژدہ سنایا۔

۹۔ حضرت عمر رضؓ کے بعد باتفاق صحابہ رضؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔

۱۰۔ اپنے زمانہ خلافت میں اسلامی فتوحات کو بڑھایا اور شیخین کے زمانہ میں جو قرآن کریم جمع کیا گیا تھا۔ اس کو لغت قریش پر کتابت کرا کے تمام بلاد امصار میں اس کو شائع کیا اور دوسرے مصاحف جن سے اختلاف پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ ان کو معدوم قرار دیا تاکہ کوئی منافق اور ملحد اُن مصاحف میں اپنی طرف سے کوئی کمی اور زیادتی کر کے اُمت میں اختلاف اور فتنہ نہ برپا کر سکے۔ اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں توسیع فرمائی اور اس کو پختہ بنوایا، اور نشانات حرم کی تجدید کی اور جدہ کو ساحل سمندر قرار دیا اور جمعہ کے دن دوسری اذان زیادہ کی۔

بروز جمعہ ۱۸ یا ۱۷ ذی الحجہ ۳۵ھ ظلماً باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ بارہ دن کم بارہ سال خلافت کی اور وفات کیوقت آپ کی عمر بیاسی سال کی تھی۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ)

حضرت ذی النورین رضؓ پر معترضین کے اعتراضات اور اُن کے جوابات!

قبل اس کے کہ ہم حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ پر بد باطنوں اور بدزبانوں کے اعتراضات کے جوابات دیں بطور تمہید چند امور کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

اوّل

یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن احادیث میں جو ثقات کی روایتوں سے ثابت ہیں اور اس درجہ کثیر ہیں کہ تواتر معنوی کی حد کو پہنچی ہیں یہ بیان کیا ہے کہ حکمتِ الہٰی کے اقتضار سے ذی النورین پر اختلاف ہوگا اور لوگ آپ کو شہید کریں گے اور آپ اس معاملہ میں حق پر ہوں گے اور آپ کے مخالف باطل پر ہوں گے۔

۱۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عثمان رضؓ شاید حق تعالےٰ تم کو کوئی قمیص قمیصِ خلافت پہنائے اگر کوئی تم سے (وہ قمیصِ خلافت) اتروانا چاہے تو تم نہ اُتارنا (ترمذی)

۲۔ مرۃ بن کعب رضؓ اور عبد اللہ بن حوالہ رضؓ اور کعب بن عجرہ رضؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فتنوں کا ذکر فرمایا اور بیان کیا کہ وہ بہت نزدیک آنے والے ہیں اتنے میں ایک آدمی چادر سے منہ لپیٹے ہوئے ادھر سے آنکلا آپ نے فرمایا کہ یہ شخص اس وقت ہدایت پر ہوگا، میں اُٹھ کر اُس شخص

کے پاس گیا تو وہ عثمان بن عفان رضہ تھے، میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا یہی ہے آپ نے کہا ہاں۔ رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح۔

۳۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب ایک فتنہ اور اختلاف ہوگا ہم نے عرض کیا کہ آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا امیر اور اس کے اصحاب اور رفقاء کا ساتھ اختیار کرنا اور آپ نے حضرت عثمان رضہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ ابن ماجہ

۴۔ اور حضرت عثمان رضہ نے اپنے زمانہ محاصرہ میں بلوائیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک وصیت فرمائی تھی اور میں اس پر برابر قائم ہوں۔ (ابن ماجہ) ازالۃ الخفاء صـ۲۲۳ ج ۲۔ اور وہ وصیت یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضہ نے فرمایا کہ میں خلافت نہیں چھوڑ سکتا۔ کیونکہ جو جامہ حق تعالیٰ نے مجھ کو پہنایا ہے میں اس کو کبھی نہ اتاروں گا۔

۵۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ میں جان دینے کو زیادہ پسند کرتا ہوں اس سے کہ امت کے معاملہ کو بعض لوگوں کی وجہ سے چھوڑ دوں۔ ازالۃ الخفاء صـ۲۲۹ ج ۲

امر دوم

زمانہ محاصرہ میں حضرت ذی النورین کا اپنی حقیت کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنا اور لوگوں کے شبہات کے معقول جوابات دے کر ان کو ساکت کرنا بیشمار

روایتوں سے ثابت ہے۔

ابولیلیٰ کندی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رض کو دیکھا کہ محاصرہ کے زمانہ میں لوگوں کے سامنے آئے اور یہ کہا اے لوگو! مجھے نہ قتل کرو صلح کرلو بخدا اگر تم مجھے قتل کردگے تو کبھی ملکر جنگ نہ کروگے اور نہ کبھی دشمنان دین سے جہاد کروگے اور انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر کہا کہ اسطرح مختلف ہو جاؤگے

یَا قَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شِقَاقِیْ أَنْ یُّصِیْبَکُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ أَوْ قَوْمَ ھُوْدٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِنْکُمْ بِبَعِیْدٍ۔ ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۴۲ ج ۲

اے قوم میری عداوت اور ضد تمہارے حق میں اسبات کا سبب نہ بن جائے کہ تم کو بھی اسی طرح کی مصیبتیں پہنچیں، جیسا کہ قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو پہنچیں اور قوم لوط تو تم سے دور نہیں، ان پر جو مصیبت آئی وہ تم کو خوب معلوم ہے۔

امر سوم

بحمدہ تعالیٰ اصحابہ کرام میں سے کوئی شخص عثمان غنی رضی اللہ عنہ، کے قتل میں ملوث اور آلودہ نہیں ہوا محض منافق اور فاسق اور اوباش اس فتنہ میں شریک ہوئے اور حضرت ذی النورین چونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اس فتنہ ابتلاء اور صبر کی تلقین کو سُن چکے تھے اور یہ سمجھ چکے تھے کہ تقدیر الٰہی اس طرح ہوتی

اس لئے مدافعت کی طرف توجہ نہ کی اور صبر کا پہلو اختیار فرمایا، اور باوجودیکہ مہاجرین اور انصار یہ چاہتے تھے کہ ان فتنہ پردازوں کا قوت سے جواب دے دیا جائے لیکن حضرت ذی النورین نے اس کی اجازت نہیں دی۔

واخرج ایضاعن ابن سیرین قال جاء زید بن ثابت الی عثمان فقال ھذہ الانصار بالباب قالوا ان شئت ان نکون انصار اللہ مرتین فقال اما قتال فلا واخرج ایضاعن الحسن قال اتت الانصار عثمان فقالوا یا امیر المومنین ننصر اللہ مرتین نصرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ننصرک قال لاحاجۃ لی فی ذلک ارجعوا قال الحسن واللہ لو ارادوا ان یمنعوہ بارديتہم لمنعوہ ازالۃ الخفاء ۔ صـ ۲۴۳ ج ۲ ۔

ابن سیرین راوی ہیں کہ زید بن حارث رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے پاس آ گئے اور کہا کہ یہ انصار دروازہ پر موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم دو مرتبہ انصار اللہ بن جائیں (یعنی ان فتنہ پردازوں اور بلوائیوں کا بزور شمشیر قصہ اور فتنہ ختم کر دیں) حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا کہ میں قتال کی اجازت نہیں دیتا حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ انصار حضرت عثمان رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے امیر المومنین ہم یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے دین کی دو مرتبہ مدد کریں یعنی ایک مرتبہ تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور دوبارہ

آپ کی مدد کریں۔

آپ نے فرمایا مجھ کو اس کی ضرورت نہیں۔ تم لوگ اپنے گھر واپس چلے جاؤ۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں خدا کی قسم اگر وہ لوگ چادروں سے بھی آپ کی حفاظت کرتے تو آپکو بچا لیتے

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ مہاجرین و انصار سب حضرت عثمان رضؓ کے ساتھ تھے مگر حضرت عثمان رضؓ قوت اور شوکت سے اس فتنہ کو دبانے پر اس لئے آمادہ نہ ہوئے کہ مسلمانوں میں خونریزی کا دروازہ نہ کھل جائے۔

واخرج احمد عن طریق الاوزاعی	امام احمد نے بطریق اوزاعی۔ محمد بن عبدالملک
عن محمد بن عبد الملك	بن مروان روایت کیا ہے کہ وہ یہ کہتے
بن مروان انه حدثه	تھے کہ مجھ سے مغیرہ بن شعبہ نے بیان کیا
عن المغيرة بن شعبة	کہ وہ عثمان غنی کے پاس گئے جبکہ وہ
انه دخل على عثمان وهو	محصور تھے اور یہ عرض کیا کہ آپ ہی
محصور فقال انك امام العامة	امیر المؤمنین ہیں اور آپ پر جو وقت
وقد نزل بك ما نرى وانى	آپڑا ہے اس کو آپ دیکھ رہے ہیں
اعرض عليك خصالا ثلثا	اس لیے میں آپ کے سامنے تین باتیں
اختر احداهن اما ان	پیش کرتا ہوں ان میں سے ایک بات
تخرج فتقاتلهم فان معك	اختیار کر لیجئے (۱) یا تو آپ باہر نکل کر
عددا و قوة وانت على الحق و	ان فتنہ پردازوں کا مقابلہ اور ان سے

وهم على الباطل واما ان[2] تخرق
لك بابا سوى الباب الذي
هم عليه فتقعد على رواحلك
فتلحق بمكة فانهم لن
يستحلوك[3] وانت بها واما
ان تلحق بالشام فانهم اهل
الشام وفيهم معاوية فقال
عثمان فاما ان اخرج فاقاتل
فلن اكون اول من خلف
رسول الله صلى الله عليه وسلم
في امة يسفك الدماء واما ان
اخرج الى مكة فانهم لن
يستحلوني بها فاني سمعت
رسول الله صلى الله عليه وسلم
يقول يلي رجل من قريش
بمكة يكون عليه نصف عذاب
العالم فلن اكون انا اياه واما

مقاتلہ کیجیے کیونکہ آپ کے ساتھ بھی مسلمانوں
کا ایک کثیر عدد ہے اور آپ کے پاس
قوت اور شوکت بھی ہے اور آپ حق پر ہیں
اور یہ باطل پر ہیں (۲) اور یا آپ اپنے
مکان میں ایک دوسرا دروازہ پھوڑ لیجیے
اور سواریوں پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ چلے
جائیں کیونکہ آپ جب مکہ مکرمہ میں ہوں گے
تو وہاں آپ کو قتل نہ کر سکیں گے (۳) اور
یا آپ ملک شام چلے جائیں کیونکہ شام کے
لوگ آپ سے خاص تعلق رکھتے ہیں اور
وہاں معاویہ بھی ہیں ۔ حضرت عثمانؓ نے
کہا کہ لڑنے کے متعلق تو یہ ہے کہ میں
نہیں چاہتا کہ رسول اللہ کے بعد آپؐ کی
اُمت میں پہلا خون ریز خلیفہ بنوں اور مکہ
اس لیے نہ جاؤں گا کہ میں نے رسول اللہؐ
سے سنا ہے کہ جو شخص مکہ میں الحاد (فتنہ) برپا
کرے اس پر نصف عالم کے برابر عذاب

ان الحق بالشام فانہم اہل الشام وفیہم معاویۃ فلن افارق دارھجرتی و مجاورۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
ازالۃ الخفاء ص۲۲۳ ج ۲۔

ہوگا اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ میں وہی شخص بنوں اور شام اس لیے جانا نہیں چاہتا کہ مدینہ دارالہجرۃ ہے اور اسمیں آنحضرتؐ کا قرب میسر ہے اور اس لیے اس سے مفارقت اور جدائی مجھے منظور نہیں۔ (انتہی)

امرِ چہارم

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جس قدر فتوحات ہوئیں وہ دو قسم کی ہیں:۔

قسم اوّل

ایک قسم وہ فتوحات ہیں کہ فاروق اعظم کی شہادت کے بعد بعض شہروں نے بغاوت کردی تھی اور حضرت ذی النورین نے دوبارہ ان کو فتح کیا۔ جیسے حضرت صدیق اکبر نے سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کی وفات کے بعد مرتدین سے قتال کیا۔

(۱) ہمدان نے بدعہدی کی مغیرۃ بن شعبہ کے ہاتھ سے دوبارہ فتح ہوا۔

(۲) اہل ری بغاوت پر کمربستہ ہوئے۔ ابوموسیٰ اشعری اور براء بن عازب کی سعی سے یہ فتنہ فرو ہوا۔

(۳) اہلِ سکندریہ نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ عمرو بن العاص کی کوششوں نے اُس کو سرنگوں کیا۔

(۴) آذربیجان والوں نے عہد سے انحراف کیا۔ ولید بن عقبہ نے اُن کو زیر کیا اور اُن کا دائرہ اس درجہ تنگ کیا کہ بالآخر مجبور ہو کر صلح کی اور اسی اثنا میں آذربائیجان کے متصل بعض نئے مقامات بھی فتح ہوئے۔

(۵) حضرت ذی النورین نے ولید بن عقبہ اور سلیمان بن ربیعہ کو آرمینیہ کی طرف فوج دے کر روانہ کیا۔ یہ لوگ بے شمار مالِ غنیمت لائے۔

(۶) عثمان بن ابی العاص کو شہر گازرون کی طرف روانہ کیا اور اُس کے تمام علاقے کو صلح سے فتح کر لیا۔

(۷) اور اسی مقام سے عثمان بن ابی العاص نے حرم بن حیان کو دز سفید کی جانب روانہ کیا جو نہایت کم مدّت میں بآسانی مفتوح ہو گیا۔

دُوسری قسم

فتوحات کی دُوسری قسم وہ ہے کہ جو امیر المؤمنین عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں حاصل ہوئیں اور اس سے پیشتر وہ ممالک اسلامی حکومت کے دائرہ میں نہ تھے۔

(۱) انہ الجملہ افریقہ ہے جو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے ہاتھ پہ فتح ہوا۔

بعدازاں اُندلس کی طرف لشکر روانہ فرمایا اور حضرت معاویہ کے مشورہ سے جزیرۂ قبرص، بحر روم کے سواحل پر جو قبرص اور امصار واقع تھے اُن پر فوج کشی کا حکم دیا بحمدہ تعالےٰ سب مفتوح ہُوئے۔

اور ازانجملہ فارس اور کرمان اور خراسان اور جُوین اور بیق اور اسفراین اور نساء اور نیشاپور اور سرخس اور بلخ یہ تمام علاقے فوج کشی کے بعد مفتوح ہُوئے۔

اور ازانجملہ کابل اور ہرات اور طالقان اور طبرستان وغیرہ وغیرہ ہیں جو آپ کے زمانۂ خلافت میں فتح ہوئے۔ ان فتوحات کی تفصیل کے لیے ازالۃ الخفاء از ص ۲۳۱/ج۲ تا ص ۲۳۴/ج۲ ملاحظہ کریں۔

خلاصہ کلام

یہ کہ حضرت ذی النورین کے حسن تدبیر سے چند سال میں اسلامی حکومت کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا کہ جو وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ قسطنطنیہ سے عدن تک اسلامی حکومت کا عرض تھا اور اندلس سے لیکر بلخ اور کابل تک اس کا طول تھا۔ اگر قاتلینِ عثمان ذرا صبر سے کام لیتے تو سندھ اور ہند ترک چین بھی اسلامی قلمرو میں داخل ہو جاتے۔

یہ فقط سیاست اور حسن تدبیر نہ تھی بلکہ خلافت عثمانیہ کی بے نظیر کرامت

تھی کہ دس سال کی مدت میں مشرق اور مغرب کا خراج مدینہ منورہ کے بیت المال میں پہنچ گیا۔

امر پنجم

حضرت ذی النورین کی سیاست اور جہان بانی اور حاسدوں کی نکتہ چینی اور بد زبانی !

جس شخص نے کتب سیر اور تاریخ کا مطالعہ کیا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے باحسن وجوہ انجام دیا ہے۔ ذی النورین کے عہدِ خلافت میں اسلامی حکومت کا دائرہ اسقدر وسیع ہوا کہ جو وہم و گمان سے بھی بالا اور برتر ہے اور مسلمان اس درجہ مرفہ الحال ہوئے کہ روزانہ مالِ غنیمت میں ایک ایک شخص کو لاکھوں درہم و دینار ملتے تھے اور زمین و جائداد اسکے علاوہ رہی۔ حضرت عثمان زر اور زمین کے پہلے سے مالک تھے اور لاکھوں کا تجارتی کاروبار تھا۔ اسی غیر معمولی دولت کی وجہ سے غنی کے نام سے تمام عرب میں مشہور تھے۔

فتنہ کی ابتداء

یہود کا سخت ترین دشمنِ اسلام ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے جیسا کہ

حق جل شانہ کا ارشاد ہے :-

ولتجدن اشد الناس عداوة	البتہ تحقیق آپ تمام انسانوں میں سب سے
للذین امنوا الیھود	زیادہ مُسلمانوں سے عداوت رکھنے والا
والذین اشرکوا -	یہود اور مشرکین کو پائیں گے۔

یہود ابتداء ہی سے اس تاک میں تھے کہ جس طرح نصاریٰ کے دین کو بگاڑا اسی طرح مسلمانوں کے دین کو بھی بگاڑیں اور اُن میں تفرقہ ڈالیں۔ مگر صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم کے زمانہ میں ان کو موقع نہ مل سکا اس لیے کہ ان دونوں خلافتوں میں ادنیٰ ادنیٰ اُمور پر سخت دار و گیر ہوتی تھی باوجود گنجائش کے ذرہ برابر رعایت نہیں ہوتی تھی۔ عزیمت پر پُورا پُورا عمل ہوتا تھا۔ جزئی جزئی اور ادنیٰ ادنیٰ امور پر توجہ مبذول رہتی تھی اس لیے کسی دُشمن کو فتنہ انگیزی کا موقعہ نہ مل سکا۔

حضرت ذی النورین کے عہد خلافت میں مملکتِ اسلامیہ کے حدود وہم و گمان سے زیادہ وسیع ہو گئے اور مُسلمانوں میں تموّل بھی غیر معمولی طور پر بڑھ گیا۔ اور حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں ادنےٰ ادنےٰ فقیر بھی غنی اور مالدار ہو گیا۔

اور ظاہر ہے کہ دولت اور تموّل کا خاصہ یہ ہے کہ آدمی کو تعیش اور دُنیا کی حرص و طمع میں لگا دیتی ہے۔ مال دار کو کتنا ہی مال مل جائے مگر وہ

ہر وقت ہل من مزید ہی کی فکر میں رہتا ہے۔

فاروق اعظم پر تو شان اشداء علی الکفار کا غلبہ تھا۔ اور حضرت ذی النورین پر شان رحماء بینہم کا غلبہ تھا اور لسان نبوت سے یہ امر بدرجۂ تواتر ظہور میں آچکا ہے کہ عثمان غنی پر شان حیاء کا اس درجہ غلبہ ہے کہ ملائکہ رحمٰن بھی اُن سے شرماتے تھے اس لیے ذی النورین کے زمانہ میں وہ دار و گیر نہ رہی کہ جو پہلے تھی۔ نیز اسلامی فتوحات کا دائرہ اس درجہ وسیع ہو چکا تھا کہ کفر میں اسلام کے مقابلہ کی تاب نہ رہی تھی اور عہد نبوت سے بُعد ہو جانے کی وجہ سے لوگوں کی قوت ایمانی میں فرق آگیا تھا اس لیے ذی النورین نے یہ خیال فرمایا کہ اس دور میں بجائے عزیمت کے رُخصت ہی پر عمل ہو جائے تو کافی ہے اس لیے حلم اور بردباری سے کام لیا اور سخت گیری سے کام نہیں لیا۔

اس لیے اب یہود بے بہبود اور دشمنان اسلام کو کہ جو اسلام کی خارق عادت شان و شوکت سے دم بخود تھے۔ اور دل ہی دل میں گھٹتے تھے۔ اُن کو موقع مل گیا کہ اسلام میں کوئی فتنہ برپا کریں۔ عبداللہ بن سبا جو پہلے یہودی تھا اور ذی النورین کے عہد خلافت میں مسلمان ہوا اس نے اپنے جیسے چند ہم خیال لوگوں کو لے کر دین میں رخنہ اندازی اور فتنہ انگیزی شروع کی جس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ حضرت عثمانؓ کے انتظامات پر حرف گیری

کرنے لگے اور ممالک اسلامیہ کے صوبہ داروں اور حکام پر نکتہ چینی کرنے لگے۔ کبھی کسی والی کی تبدیلی کی درخواست کرتے اور کبھی کسی عامل کی معزولی کی التجاء کرتے اور اتفاق سے کچھ ایسے ممتاز عہدوں پر فائز ہو گئے کہ جن سے کچھ بے عنوانیاں ظہور میں آئیں اور حضرت ذی النورین کو پہلے سے اُن کا علم اور تجربہ نہ تھا اس لیے حرف گیروں کو اور موقعہ مل گیا اور کاہ کا کوہ بنالیا۔ اور برملا اور کھلم کھلا نکتہ چینی کرنے لگے اور اعلانیہ طور پر حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر تل گئے اور امراء اور حکام پر ظلم اور بے جا کارروائیوں کے الزامات تراشنے لگے۔ اس فتنہ کے بانی و مبانی یہود اور مجوس تھے۔ اور عبداللہ بن سباء اُن کا سرغنہ تھا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے اہل بیت اور حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب بیان کرتا تھا۔ صحابہ کرام اور دیگر عوام مسلمین جن کے قلوب صاف تھے اچانک اس قسم کی خبروں کو سُن کر شک اور شبہ میں پڑ گئے اور فتنہ یہاں تک بڑھا کہ فتنہ پردازوں کی یہ جماعت اوّل اوّل تو وُلاۃ اور امراء بلاد اسلامیہ کی تبدیلی اور معزولی کی درخواست کیا کرتی تھی اور اب اعلانیہ طور پر امیر المؤمنین عثمان غنیؓ کے معزولیت کی گفتگو کرنے لگے۔ حضرت عثمانؓ نے اور صحابہ کرام نے مجبور ہو کر تفتیش کے لیے مختلف ممالک میں آدمی بھیجے تاکہ اُن کے ذریعے صحیح کیفیت معلوم ہو۔ سبھوں نے واپس آکر یہ بیان کیا کہ ہم نے عمال اور حکام کی طرف سے کوئی نازیبا کارروائی نہیں

دیکھی اور نہ عوام الناس میں کسی قسم کا چرچا سُنا جس سے ثابت ہُوا کہ وہ شکایتیں محض بے اصل ہیں ۔

حضرت ذی النورین رضؓ کو اس فتنہ کا پہلے سے علم تھا

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جن آنے والے فتنوں سے اُمت کو آگاہ فرمایا اُن میں سے ایک فتنہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بھی ہے جس میں حدیثیں اس کثرت سے آئی ہیں کہ جو تواتر معنوی کی حد تک پہنچ گئی ہیں اور ان حدیثوں میں اس امر کو صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ عثمان غنی شہید ہوں گے اور اُن کی شہادت کے وقت ایک عظیم فتنہ برپا ہوگا جو لوگوں کی وضع اور رسموں کو بدل دے گا اور اُس کی آفت عالم گیر ہوگی اور جو زمانہ اس فتنہ سے پہلے کا ہوگا وہ نہایت خیر و خوبی کا زمانہ ہوگا اور اس فتنہ سے خلافتِ خاصہ کا نظام درہم برہم ہو جائیگا اور زمانۂ نبوت کی برکتیں مستور اور پوشیدہ ہو جائیں گی ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پیش آنے سے پہلے اس فتنہ اور ابتلاء کا یقین تھا اور یہ بالیقین جانتے تھے کہ میں اس فتنہ میں حق پر ہوں گا اور ظلماً شہید ہوں گا ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو اس قدر کھول کر بیان فرمایا کہ اصل حقیقت سے پردہ اُٹھ گیا اور حجت الٰہی اس کے ثبوت سے قائم ہو گئی

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آنے والے فتنہ کے زمانہ اور مکان اور سمت اور صورت اور صفت سب کی تعین فرمادی ۔

تعین زمانہ

عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی چکی ۳۵ ، ۳۶ یا ۳۷ سال کے بعد بند ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۳۵ھ میں شہید ہوئے اور جہاد اور اسلامی فتوحات کا نظام معطل ہو گیا ۔

تعین سِمت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ فتنہ کا ظہور اس جگہ سے ہوگا جہاں سے شیطان کا سینگ (یعنی آفتاب) نکلتا ہے یعنی اس فتنہ کا ظہور مشرق کی طرف سے ہو گا ۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا جو فتنہ برپا ہُوا وہ عراق کی جانب سے ہوُا جو مدینہ منورہ سے شرقی جانب میں واقع ہے ۔

فِتنہ کی صُورت اور صِفت کی تعیّن

اخرج الترمذی عن حذیفۃ بن الیمان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ لاتقوم الساعۃ حتی تقتلوا امامکم وتجتلدوا باسیافکم ویرث دنیاکم شرارکم۔
هذا حدیث حسن۔

ترمذی میں حذیفہ بن الیمان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت قائم نہ ہوگی، یہاں تک کہ تم قتل کرو گے اپنے امام اور خلیفہ کو اور باہم ایک دُوسرے پر تلواریں چلاؤ گے اور تمہارے دُنیا کے حاکم تم میں کے بدترین لوگ ہوں گے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

واخرج احمد عن ابی عون الانصاری ان عثمان قال لابن مسعود ویحك انی قد سمعت وحفظت ولیس کما سمعت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال سیقتل امیر وینتزی

امام احمد نے ابن عون انصاری سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت ابن مسعود سے فرمایا۔ افسوس ہے تم پر یہ کہ تم نے حضورؐ کا ارشاد سمجھنے میں لغزش کھائی۔ تحقیق میں نے خود آنحضرت صلعم سے سُنا ہے اور خود یاد رکھا ہے اور

منتزوانی انا المقتول و لیس عمر انما قتل عمر واحد انہ یجتمع علی ۔

خوب سمجھا ہے اور حضورؐ کے ارشاد کا وہ مطلب نہیں جو تم نے سُنکر سمجھا۔ تحقیق آنحضرتؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ عنقریب مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ قتل کیا جائے گا اور کوئی حملہ کرنے والا ان پر حملہ کرے گا۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ یہ امیر مقتول مَیں ہی ہوں اور حضرت عمرؓ اس کا مصداق نہیں (جیسا کہ تمہارا گمان ہے۔ حضرت عمرؓ کو تو صرف ایک شخص نے قتل کیا اور مجھ پر تو قتل کے لیے ہجوم اور ہنگامہ ہوگا یعنی ایک جماعت مل کر مجھکو قتل کرے گی۔ (مسند احمد کی روایت کا ترجمہ ختم ہوا) ۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ عثمان غنیؓ کو یقین کامل تھا کہ مَیں فتنہ پردازوں کے ہاتھ سے ظلماً شہید کیا جاؤں گا۔ اس حدیث کے علاوہ اور بھی حدیثیں ہیں جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عُثمان کے ابتلاء اور شہادت کی خبر دی ہے۔ تفصیل کے لیے ازالۃ الخفاء ص۲۱۷ کو دیکھیئے۔

ذی النورین کو آنحضرتؐ کی وصیّت

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عُثمان کو آنے والے ابتلاء اور فتنہ کی خبر دی اور صبر کے ساتھ یہ وصیّت فرمائی کہ اے عثمان! شاید اللہ تعالےٰ

تجھ کو کوئی قمیص (یعنی قمیص خلافت) پہنائے گا۔ پس اگر لوگ یہ چاہیں کہ تو وہ قمیص اُتار کر اُن کو دے دے تو تُو اس (خدا تعالےٰ) کے عطا کئے ہوئے قمیص کو اُن کے لیے ہرگز نہ اُتارنا۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحابۂ کرام کو ہدایت

اور اس بارے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے صحابۂ کرام کو یہ ہدایت کی کہ اس فتنہ کے زمانہ میں ہرگز ہرگز ان فتنہ پردازوں کے ساتھ شریک نہ ہونا اور تلواروں کو توڑ دینا اور کمانوں کے چلّوں کو کاٹ دینا۔ جس کا ذکر بے شمار روایتوں میں ہے۔

صحابہ کرام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت اور وصیّت پر پُورا عمل کیا۔ چنانچہ قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ مصر کے اوباش گھر میں داخل ہوئے اور اُن کو شہید کیا۔ خُون کا قطرہ اِس آیت پر گرا۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ۔ بعدازاں قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں۔

وبه تبین ان احدا من الصحابة لم یسع علیه ولا قعد عنه ولو استغفر ما غلب الف او

ان تمام واقعات سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ صحابۂ کرام میں سے کسی ایک متنفس نے بھی حضرت عثمان کی نہ تو

مخالفت کی اور نہ کوئی صحابی آپ کی
نصرت اور حمایت سے پیچھے ہٹا اگر حضرت
عثمان صحابہ سے امداد طلب کرتے تو یہ
ناممکن تھا کہ بیرونی ایک ہزار یا چار ہزار
اوباش مدینہ منورہ کے بیس ہزار سے
زائد جانثاروں پر غالب آجاتے لیکن
حضرت عثمان نے خود ہی اپنے ارادہ
اور اختیار سے اس مصیبت کو اختیار
فرمایا اور ایسی صورت میں علماء کا اختلاف
ہے کہ اگر کسی کو ایسی صورت پیش آجاوے
تو کیا کرنا چاہیئے؟ آیا اپنے آپ کو
دشمنوں کے حوالے کرے یا مدد طلب
کرے۔ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ
عثمان غنی کی اقتداء کرنی چاہیئے فتنہ
کے وقت میں نبی کریم علیہ الصلاۃ
والتسلیم کی یہی وصیت ہے۔ قاضی
ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ اس سب کا

اربعة الاف غرباء عشرين
القابلين او اكثر من ذلك و
لكنه القى بيده الى المصيبة
وقد اختلف العلماء فيمن نزل
به مثلها هل يلقى بيده او
يستنصر واجاز بعضهم ان
يستسلم ويلقى بيده اقتداء
بفعل عثمان وبتوصية النبى
صلى الله عليه وسلم بذلك
فى الفتنة قال القاضى
ابو بكر فالذى ينخل من
ذالك ان عثمان مظلوم محجوج
بغير حجة وان الصحابة
براء من دمه باجمعهم لانهم
اتوا ارادته وسلموا له رأيه
فى اسلام نفسه هكذا فى
العواصم - ص۱۳۶ و ص۱۳۹ -

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ ظلماً بغیر حجت اور بلا وجہ کے شہید کئے گئے اور تمام حضرات صحابہ حضرت عثمان کے خون میں شرکت سے بالکلیہ پاک اور بری ہیں۔ حضرت عثمان نے ارادہ اور منشاء کی تعمیل میں حضرات صحابہ نے اپنے ہاتھوں کو بادل نخواستہ روکا۔ صحابہ کرام نے جب یہ دیکھا کہ حضرت عثمان کا منشاء مُبارک یہ ہے کہ ہاتھوں اور ہتھیاروں کو روکا جائے اس لیے باغیوں کا مقابلہ نہیں کیا۔

مصرعہ میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق
ترک کام خود گرفتم تا بر آید کام دوست۔

نیز قاضی ابوبکر بن العربی العواصم من القواصم میں فرماتے ہیں:۔

قال سليط ابن ابی سليط نهانا عثمان عن قتالهم فلو اذن لنا لضربناهم حتى نخرجهم عن اقطارها وقال عبد الله بن عامر بن ربيعة كنت مع عثمان فی الدار فقال اعزم على كل من رأی ان لی عليه سمعا وطاعة الا كف يده وسلاحه فان افضلكم

ابن ابی سلیط کہتے ہیں کہ عثمان غنی نے ہم کو باغیوں کے مقابلہ اور مقاتلہ سے منع کر دیا تھا۔ حضرت عثمان اگر ہم کو اجازت دیدیتے تو ہم اُن تمام باغیوں کو مدینہ کے تمام اطراف و جوانب سے نکال دیتے۔ عبداللہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان کے گھر میں موجود تھا تو حضرت عثمان نے تمام حاضرین کو جو ہر قسم کی مدد کے

عناء من کف یدہ وسلاحہ ۔

لیے تیار تھے۔ مخاطب بنا کر یہ فرمایا کہ وہ شخص کہ جو میری اطاعت کو اپنے ذمہ حق اور لازم سمجھتا ہو میں اُس کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اپنے ہاتھ اور تلوار کو روکے رکھے۔ تم میں سب سے زیادہ میرے لیے کارآمد و سُودمند وہ شخص ہے جو اپنے ہاتھ اور تلوار روکے رکھے ۔

وثبت ان الحسن والحسین و ابن الزبیر وابن عمر و مروان کلهم شاک فی السلاح حتی دخلوا الدار فقال عثمان اعزم علیکم لما رجعتم فوضعتم اسلحتکم ولزمتم بیوتکم ـ کذا فی العواصم من القواصم ۔ ص ۱۳۱ ۔

اور یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین اور عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر اور مروان، یہ سب ہتھیار بند ہو کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں ان کے گھر میں داخل ہوئے تاکہ اُن کی حفاظت اور پاسبانی کریں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں تمہیں خُدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم لوٹ جاؤ اور اپنے ہتھیاروں کو اُتار کر رکھ دو۔ اور اپنے گھروں میں بند ہو کر بیٹھ جاؤ ۔

حافظ ابن کثیر البدایۃ والنہایہ ص ۱۸۱ ج ۷ میں فرماتے ہیں کہ اخیر ذی قعدہ سے ۱۸ ذی الحجہ تک باغیوں کا محاصرہ رہا۔ شہادت سے ایک روز پہلے حضرت عثمان غنی کے مکان کے سامنے تقریباً سات سو مہاجرین و انصار جمع تھے جن

میں حضرت امام حسن اور امام حسین اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوہریرہ اور مروان بھی تھے اور حضرت عثمانؓ کے غلاموں کی بھی ایک کثیر جماعت موجود تھی جو مدافعت کے لیے حضرت عثمانؓ کی اجازت کے منتظر تھے۔ لیکن حضرت عثمان نے بجائے اجازت کے یہ فرمایا کہ جس پر میرا کوئی حق ہے میں اُسے خدا کا[1] واسطہ دے کر یہ کہتا ہوں کہ اپنے ہاتھ کو روکے اور اپنے گھر واپس ہو جائے اور غلاموں سے یہ فرمایا من اغمد سیفہ فھو حر۔ جو اپنی تلوار کو نیام میں کر لے وہ آزاد ہے۔ حضرت عثمانؓ کے اس ارشاد کے بعد معاملہ سرد ہو گیا اور لوگ اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔ یہ دیکھ کر اوباشوں کو موقعہ مل گیا۔ گھر میں داخل ہوئے اور حضرت ذی النورین کو شہید کیا۔ انتہٰی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

مسند احمد بن حنبل صـ۲ ج ۱ میں ابو سعید مولی عثمان غنی سے مروی ہے۔

ان عثمان اعتق عشرین مملوکا	حضرت عثمانؓ جس دن شہید ہوئے
ودعا بسراویل فشدھا علیہ	اُس دن بیس غلام آزاد فرمائے اور
ولم یلبسھا فی جاھلیۃ ولا	پائجامہ منگا کر پہنا حالانکہ زمانۂ جاہلیت
اسلام قال انی رأیت رسول اللہ	اور زمانۂ اسلام میں کبھی پائجامہ

---

[1] اصل لفظ یہ ہیں، واقسم علی من لی علیہ حق ان یکف یدہ وان ینطلق الی منزلہ ۱۲

صلى الله عليه وسلم البارحة
في المنام ورأيت ابابكر وعمر وانهم
قالوا لي اصبر فانك تفطر
عندنا القابلة ثم دعا بمصحف
فنشره بين يديه فقتل وهو
بين يديه وروى الامام احمد
هذا الحديث عن نائلة زوجة عثمان
ص ۱۴۳/ ج ۱ رقم ۵۳۶ بقريب من هذا.
وكذا في البداية والنهاية ص ۱۸۲/ ج ۷ وانظر
تاريخ الطبري ص ۱۳۵ ج ۵ ـ

نہیں پہنا تھا اور یہ فرمایا کہ آج
رات میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ
وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کو خواب
میں دیکھا کہ یہ تینوں یہ کہہ رہے
ہیں کہ اے عثمانؓ صبر کر اور اگلی
شام کو روزہ ہمارے پاس افطار
کرنا۔ بعد ازاں حضرت عثمانؓ نے
قرآن شریف منگوایا اور تلاوت
کے لیے اُس کو کھولا۔ اسی تلاوت
کی حالت میں شہید کئے گئے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں۔

وقد حلف (علي رضي الله عنه)
وهو الصادق بلا يمين انه
لم يقتل عثمان ولا مالأ على
قتله بل ولا رضي بقتله وكان
يلعن قتلة عثمان واهل السنة
يعلمون ذلك منه بدون قوله

حضرت علی قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے
(اور وہ تو بلا قسم کے بھی صادق ہیں) کہ
میں نے نہ عثمان کے قتل میں کوئی حصہ
لیا اور نہ اُن کے قتل میں میں نے کسی
قسم کی مدد کی اور نہ میں اُن کے قتل پر
راضی ہوا اور تمام اہل سنت کو اس امر کا بدون

فهو اتقی اللہ من ان یعین علی قتل عثمان او یرضٰی بذلک منہاج السنۃ۔ ص۱۱۱ ج ۳ –

حضرت علیؓ کے کہے ہوئے ہی یقین ہے کہ حضرت علیؓ جیسا اعلیٰ درجہ کا متقی اور پرہیزگار اس سے پاک اور بری ہے کہ وہ عثمان غنی کے قتل میں کسی قسم کی مدد کرے یا ان کے قتل پر راضی ہو۔ (منہاج السنۃ)

نکتہ

ایوب سختانی کہتے ہیں کہ ہابیل کی سُنت پر سب سے پہلے عمل کرنے والے عثمان غنی ہیں (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) جس طرح ہابیل نے قابیل کے مقابلہ میں ما انا بباسط یدی الیک لاقتلک انی اخاف اللہ رب العالمین۔ کہا اور اپنے بھائی کے مقابلہ اور مدافعت کی بجائے صبر اور شہادت کو ترجیح دی اسی طرح عثمان غنیؓ نے مسلمانوں کے مقابلہ اور مقاتلہ کے بجائے اپنے صبر اور شہادت کو ترجیح دی۔ اپنا گلا کٹوا دیا لیکن کسی مسلمان پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔ (دیکھو ابن کثیر)

شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کو بے وجہ ناحق مارنے لگے تو اس کو رُخصت ہے کہ ظالم کو مارے اور اگر صبر کرے تو شہادت کا درجہ ہے اھ۔ اور یہ حکم اپنے مسلمان بھائی کے مقابلہ میں ہے کافروں

اور باغیوں کے مقابلہ میں نہیں ۔ وہاں قتال ضروری ہے ۔ ہاتھ پاؤں کو توڑ کر بیٹھ رہنا جائز نہیں ۔

آمدم بر سر مطلب

حق جل شانہٗ کی توفیق سے اُمید ہے کہ ان مقدمات کے ممہد ہو جانے کے بعد حضرت ذی النورین کی خلافت اور اُن کے تدبر اور سیاست کے متعلق اصولی اور کلی طور پر کوئی شُبہ باقی نہ رہے گا۔ لیکن مزید تشفی اور تسلّی کے لیے معترضین کے چند جزئی اعتراضات کو نقل کر کے جوابات دینا چاہتے ہیں اور صرف ان اعتراضات کے جوابات پر اکتفا کرتے ہیں کہ جو اعتراضات معترضین کے نزدیک بہت اہم ہیں۔ واللہ الھادی الی سواء الطریق وبیدہ ازمۃ التحقیق وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ۔

اعتراضِ اوّل

حضرت ذی النورین کے زمانۂ خلافت میں ملک میں جو انتشار اور بدنظمی رونما ہوئی وہ اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت عثمانؓ خلافت اور سلطنت کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے ۔

جواب : یہ بالکل غلط ہے ۔ معاذ اللہ اگر حضرت عثمانؓ میں سلطنت کی

صلاحیت نہ ہوتی تو باتفاق صحابۂ کرام آپ خلافت اور امارت کے لیے کبھی منتخب نہ ہوتے۔ یہ ناممکن ہے کہ صحابہ کرام کو اہل اور نا اہل کی تمیز نہ ہو اور وہ غلطی سے نااہل پر متفق ہو جائیں۔ جن صحابہ کرام نے ابوبکرؓ و عمرؓ کو خلافت کے لیے منتخب کیا اور جنہوں نے قیصر و کسریٰ کا تختہ اُلٹا۔ انہیں حضرات نے باتفاق حضرت ذی النورین کو اپنا خلیفہ اور امیر منتخب کیا۔

حدیث میں ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو مخاطب بنا کر فرمایا کہ اے عثمانؓ امید ہے کہ اللہ تعالےٰ تجھ کو کوئی قمیص پہنائیگا یعنی خلیفہ بنائے گا۔ پس اگر لوگ یہ چاہیں کہ وہ قمیص اُتار دے یعنی تو خلافت سے دست بردار ہو جائے تو اُن کے لیے قمیص نہ اُتارنا یعنی خلافت سے دست بردار نہ ہونا۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے۔ یہ حدیث اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حضرت عثمانؓ میں خلافت اور سلطنت کی پوری اہلیت اور صلاحیت ہوگی۔ اور اس وقت عند اللہ اور عند الرسول حضرت عثمانؓ ہی خلیفہ برحق اور امارت اور خلافت کے صحیح مستحق ہوں گے اور جو لوگ ان کی معزولی اور علیحدگی کے خواہاں ہوں گے وہ باطل پر ہوں گے۔ لہٰذا جو لوگ حضرت ذی النورین کے اہلیت خلافت اور صلاحیت سلطنت میں کلام کرتے ہیں وہ درپردہ خاموش طریقہ سے ان ہی اہلِ باطل کے ساتھ شریک ہیں جو حضرت عثمان سے خلافت کا قمیص چھیننا چاہتے تھے۔

حضرت ذی النورین کی وسیع فتوحات اُن کی اہلیت خلافت اور اُن کے تدبر اور سیاست کے شاہد عدل ہیں۔ حضرت ذی النورین کے چند سالہ فتوحات سے اسلامی مملکت کا دائرہ اس قدر وسیع ہُوا کہ آج امریکہ اور برطانیہ دونوں کامل کر بھی دائرہ سلطنت اتنا وسیع نہیں ہُوا۔ اب بھی کسی نادان کو حضرت ذی النورین کے تدبر اور سیاست میں شُبہ ہے۔

جو لوگ حضرت عثمانؓ کی شان میں طعن و تشنیع کرتے تھے صحابہ کرام اُن کو مفسد اور فتنہ پرداز سمجھتے تھے اور اُن کو حضرت عثمانؓ کی حقانیت اور اہلیت میں کوئی شُبہ نہ تھا۔

بلکہ

صحابہ کرام خُوب جانتے تھے کہ یہ وہی فتنہ ہے کہ جس کی حضور پُر نور نے ہم کو خبر دی تھی کہ ایک دن عثمانؓ بلوائیوں اور فتنہ پردازوں کے ہاتھ سے شہید ہوں گے۔

بلوائیوں کے مقابلہ اور جواب میں حضرت عثمانؓ نے جو خُطبے دیئے اور اُن کے جواب میں جو تقریریں کیں اُن سب سے عیاں اور واضح ہے کہ عثمانؓ اپنے آپ کو مظلوم اور محض بے قصور سمجھتے تھے اور بار بار یہ فرماتے تھے کہ میں حکمرانی میں سُنت اور طریقۂ فاروقی پر عامل ہوں میں نے سُنتِ عمر کو ترک نہیں کیا۔ خلافت اور امارت کے بارہ میں حضرت ذی النورین کی روش وہی تھی کہ جو شیخین کی تھی فرق صرف

اس قدر تھا کہ حضرت ذی النورین کبھی عزیمت سے رخصت کی طرف اتر آیا کرتے تھے اور اُن کے حکام اور ولات اس درجہ کے نہ تھے کہ جو شیخین کے زمانہ میں تھے نیز اُن کی رعیت بھی اُن کی ایسی مطیع اور فرمانبردار نہ تھی جیسے حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کی مطیع تھی۔

اعتراض دوم[1]

آپ نے اپنے عہد خلافت میں صحابہ کی ایک جماعت کو حکومت سے معزول کر کے بنی امیہ کے نوجوانوں کو جنہیں سبقتِ اسلام کا شرف حاصل نہ تھا مامور کیا۔ مثلاً آپ نے بصرہ سے ابو موسیٰ اشعری کو معزول کر کے عبداللہ بن ابی عامر کو مقرر کیا اور مصر سے عمرو بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو بھیجا۔

جواب

عمّال اور حکام کا عزل و نصب حق تعالےٰ نے خلیفہ کی رائے پر چھوڑ دیا ہے کہ خلیفہ جس میں اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح اور بہبودی خیال کرے اس کے مطابق کرے۔ اگر اس کی رائے صواب اور درست ہوئی تو اُس

---

[1] دیکھو منہاج السنۃ صفحہ ۱۲۵ ج ۳

کو دوہرا اجر اور ثواب ہوگا اور اگر اس نے خطا کی تو اس کو ایک اجر ہوگا اور یہ مضمون رسول اللہ صلعم سے بدرجہ تواتر منقول ہے۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مصلحت کی وجہ سے کبھی ایک کو معزول کر کے دوسرے کو مقرر فرما دیتے تھے جیسا کہ فتح مکہ میں انصار کے نشان کو سعد بن عبادہؓ سے ایک بات زبان سے نکل جانے کی وجہ سے اُن سے لے کر اُن کے بیٹے قیس بن سعد کو دے دیا۔

اور کبھی کسی مصلحت کی وجہ سے افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو مقرر فرماتے جیسا کہ آپؐ نے اپنی اخیر عمر میں اسامہ بن زیدؓ کو سردار لشکر مقرر کیا اور کبارِ مہاجرین اور انصار کو اُن کے ماتحت کیا اور آپؐ کا یہ فعل آخر عمر میں تھا جس میں نسخ کا احتمال نہیں۔ اور اسی طرح شیخین نے اپنے زمانۂ خلافت میں کیا۔ غرض یہ کہ خلیفہ کا عمال کو مقرر و برخاست کرنا ہمیشہ سے رہا ہے۔

ثم عاد عقلاً یہ ضروری اور لازمی نہیں کہ پہلے عمال کو ہمیشہ بحال رکھا جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ معزول کرنے کے بعد اس کی جگہ اس سے کسی افضل اور بہتر ہی کا تقرر ہو۔ امام کو اختیار ہے کہ کسی مصلحت کی وجہ سے افضل کی بجائے مفضول اور کمتر کو مقرر کرے جیسے حضرت عمرؓ نے اہلِ کوفہ کی شکایت کی بناء پر سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے عمار بن یاسر کو مقرر کیا حالانکہ سعد بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور عمار بن یاسر سے افضل ہیں۔ اور فاروق اعظم نے وفات

کے وقت خلافت کو چھ صحابہ میں دائر اور مشترک کیا۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ طلحہؓ زبیرؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ اب دیکھئے کہ حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو کوفہ کی ولایت سے تو معزول کیا اور ولایت عامہ اور خلافت کبریٰ کے لیے جو چھ آدمی نامزد کئے اُن میں سعدؓ بن ابی وقاص کو بھی نامزد کیا۔ معلوم ہُوا کہ کوفہ سے سعد کی معزولی کسی مصلحت کی بنا پر تھی۔ معاذاللہ عدم اہلیت کی بنا پر نہ تھی اور نہ یہ معزولی ان کی تحقیر اور تذلیل تھی۔ اس لیے کہ جس شخص میں ایک شہر کے والی بننے کی صلاحیت نہ ہو تو وہ تمام مسلمانوں کا امیر اور تمام بلاد اسلامیہ کا خلیفہ اور بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ اور حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت مرتضیٰ بھی اور دیگر خلفاء بھی اسی دستور پر عمل کرتے رہے۔

لہٰذا حضرت ذی النورین سے بھی اس معاملہ میں باز پُرس نہیں کی جاسکتی۔ اگر آپ نے کسی مصلحت اندیشی سے سن رسیدہ صحابی کو معزول کر کے کسی نوجوان کو مقرر کر دیا تو محل اعتراض نہیں ہو سکتا اور اس معزولی کو صحابی کی تحقیر سمجھنا نادانی ہے۔

خاص کر ان مثالوں میں جن کو معترضین پیش کرتے ہیں تامل کرنے سے حضرت ذی النورین کی اصابت رائے روز روشن کی طرح نمایاں ہو جاتی ہے کیونکہ ہر ایک عزل و نصب سے یا تو کسی لشکر کا اختلاف رفع کرنا مقصود تھا یا کسی نئی اقلیم کا فتح کرنا تھا۔ لیکن ہوائے نفسانی نے معترضین کی نگاہوں

کو اندھا کر دیا ہے۔

م وعین الرضا عن کل عیب کلیۃ

ولکن عین السخط تبدی المساویا

رضا اور خوشنودی کی آنکھ ہر عیب سے غافل ہوتی ہے لیکن ناراضی کی آنکھ

عیبوں اور برائیوں کو ظاہر کرتی ہے۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد

عیب نماید ہنرش در نظر

حضرت ذی النورین نے جن لوگوں کو معزول کیا اس کی وجوہ کتب تاریخ میں مفصل مذکور ہیں۔ ان وجوہ پر مطلع ہونے کے بعد حضرت عثمان کی حسن تدبیر معلوم ہوتی ہے اور واقعی مذکورہ بالا اشخاص کا تقرر بہت سی فتوحات اور نظم امور کا باعث ہوا اور خلافت کا نقشہ ہی بدل گیا اور مملکت اسلامیہ میں وہ طول و عرض پیدا ہوا کہ جو کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ قسطنطنیہ سے لیکر مرن تک اسلامی حکومت کا عرض تھا اور اندلس سے لے کر بلخ تک اور کابل تک اس کا طول تھا۔ تفصیل کے لیے تحفہ اثنا عشریہ کی مراجعت کی جائے۔

معترضین یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت ذی النورین نے جن لوگوں کو مقرر کیا۔ انکے ہاتھوں سے کیا کارہائے نمایاں ظہور میں آئے جو سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

مثلاً ابوموسیٰ اشعریؓ کو کسی مصلحت کی بناء پر معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو مقرر کیا۔ لیکن کیا معترضین کو اس کی خبر نہیں کہ خراسان کا تمام علاقہ عبداللہ بن عامر کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ کتب تاریخ میں ہے۔

لما افتتح عبدالله بن عامر خراسان قال لاجعلن شكرى لله ان اخرج من موضعى هذا محرما فخرج من نيشابور۔	عبداللہ بن عامر نے جب خراسان کو فتح کیا تو یہ کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکر میں اپنے اسی جگہ سے احرام باندھ کر حج کے لیے نکلوں گا چنانچہ نیشاپور سے احرام باندھ کر حج کے لیے نکلے۔

اور حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھو العواصم والقواصم ص۸۲۔

حضرت ذی النورین نے مصر سے عمرو بن العاص کو معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح صحابی کو مقرر کیا جن کی حسن تدبیر سے مغرب کی تمام زمین فتح ہوئی اور جزائر مغرب بھی اسلامی مملکت میں داخل ہوئے اور بے شمار خزانے بارگاہِ خلافت میں بھیجے۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ اس فتح میں جو مال غنیمت ملا اس میں سے ۲۵ لاکھ دینار تو خالص سونا تھا اور کپڑے اور زیورات اور مویشی اور دیگر قسم کا سامان جو ملا اس کا کوئی شمار نہ تھا۔ اس تمام مال کا خمس تو بارگاہِ خلافت میں بھیج دیا اور باقی تمام مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ اس لشکر اور جہاد میں بہت سے صحابہ کرام اور اُن کی اولاد شریک تھے

سب اُن کی سیرت اور حُسنِ تدبیر سے اور سیاست سے خوش رہے اور ان کی کسی بات پر کسی نے کوئی انکار نہیں کیا اور پھر جب حضرت عثمانؓ کے خلاف لوگوں میں فتنہ برپا ہُوا تو عبداللہ بن سعد کنارہ کش ہو گئے اور کسی طرف شریک نہیں ہُوئے اور یہ کہا کہ ہم نے خدا تعالےٰ سے عہد کیا ہے کہ کفار کے قتل کے بعد مسلمانوں کو قتل نہ کریں گے۔ اور انہوں نے اپنی آخری عمر گوشہ نشینی میں گزاری۔

اور یہ کہا جائے کہ عثمان غنی نے ایسے کو کیوں والی اور حاکم بنایا جس سے بعد میں خیانت ظاہر ہوئی تو جواب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو علم غیب نہ تھا حسن ظن کی بنا پر والی بنایا اور جب کوئی خیانت ظاہر ہوئی تو معزول کر دیا۔ حضرت علیؓ جو شیعوں کے نزدیک امام معصوم اور غیب دان تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں بہت سے لوگوں کو والی و حاکم مقرر کیا اور بعد میں کسی وجہ سے ان کو معزول کر دیا۔ معلوم ہُوا کہ شیعوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت علی عالم الغیب تھے بالکل غلط ہے۔

اعتراض سوم

حضرت ذی النورین نے اپنے اقارب اور احباب کو بیت المال سے بے شمار مال عطا کیا۔ اور بیت المال کی زمینیں اور علاقے ان کو دیئے اور مسلمانوں کے حقوق کو تلف کیا۔

جوابؔ[1]

حضرت عثمان کی داد و دہش کو بیت المال کی طرف منسوب کرنا محض افترا اور صریح بہتان ہے۔ حضرت عثمان کی مالداری اور ثروت پہلے ہی سے مشہور تھی اور پھر حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب فتوحات ہوئیں اور بیشمار مال غنیمت تقسیم ہوا تو وہ فقرار مہاجرین جو نانِ شبینہ کے محتاج تھے لاکھوں درہم و دینار کے مالک بن گئے اور زمینوں اور باغوں والے بن گئے اور بڑی بڑی عمارتیں رہنے کے لیے بنالیں اور جو لوگ پہلے سے مالدار اور لاکھوں کے مالک تھے۔ جیسے حضرت عثمان کہ جو اسلامی جہاد اور غزوات میں سینکڑوں گھوڑوں اور اونٹوں اور ہزاروں درہم اور دینار سے اور ہزاروں من غلّہ سے امداد کرتے تھے وہ ان فتوحات سے لاکھوں سے گزر کر کروڑوں کے مالک بن گئے جن میں حضرت عثمان بھی تھے۔ حضرت عثمان کی دولت و ثروت کے ساتھ ان کی سخاوت بھی ضرب المثل تھی۔ غرباء اور فقراء پر ان کی ذاتی دولت پانی کی طرح بہتی تھی۔ اُن کی سخاوت اپنے ذاتی مال و دولت سے تھی بیت المال سے نہ تھی۔

(۲) اور پھر یہ کہ اُن کا یہ جود و کرم فقط اپنے قبیلہ اور خاندان پر محدود نہ تھا

---

[1] دیکھو حاشیہ عواصم و قواصم ص ۱۰۲

بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے عام تھا روزانہ غرباء اور فقراء پر خیرات کرتے اور روزانہ مہاجرین اور انصار کی ضیافت کرتے اور عمدہ عمدہ کھانے کھلاتے اور راہِ خدا میں بے شمار غلام آزاد کرتے خصوصاً جمعہ کے دن ایک غلام ضرور آزاد کرتے اور ظاہر ہے کہ خیرات و مبرات اگر اقارب اور رشتہ داروں پر ہو تو ثواب دُگنا ہو جاتا ہے اور حدیث میں ہے کہ مسکین پر خیرات کرنا تنہا صدقہ ہے اور اقارب کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے اور قرآن کریم نے اقارب کو دوسرے مصارف پر مقدم رکھا ہے۔ وآتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتامی والمساکین و ابن السبیل - اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم جود و بخشش میں بعض مرتبہ قرابت کی وجہ سے قریش کو دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ترجیح دیتے تھے۔

غرض یہ کہ حضرت عثمانؓ کے ان اخراجات اور صدقات وخیرات کو بیت المال کی طرف منسوب کرنا محض تعصب اور دشمنی ہے۔ خود عثمان غنیؓ سے جب اس کی بابت پُوچھا گیا تو فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ میرا مایۂ دولت خلافت سے پہلے ہی بہت کافی تھا اور میرے اخراجات یعنی صدقات اور خیرات کو بھی جانتے ہو اور یہ جو کچھ تھا اپنے خاص مال سے تھا بیت المال سے نہ تھا اور کسی روایت میں اس کا ذکر نہیں کہ اپنے اقارب یا بیٹی کو یا داماد کو بیت المال سے دیا اور صلۂ رحمی سب کے نزدیک محمود اور پسندیدہ خصلت ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ رہا اقارب اور احباب کو زمینیں دینے کا مسئلہ سو اس

میں بھی معترض نے تدلیس اور مغالطہ سے کام لیا۔ عثمان غنیؓ افتادہ اور خراب زمینیں آباد کرنے کے لیے مسلمانوں کو دیتے تھے جس میں اُن کے کچھ اقارب بھی آگئے۔ مزروعہ اور آباد زمین کسی رشتہ دار کو نہیں دی اور ظاہر ہے کہ افتادہ زمین کو زندہ کرنا ملک کی آبادی اور رزق کی فراخی کا ذریعہ ہے اور پھر جو اس سے محصول حاصل ہو گا اس سے حکومت کو فائدہ ہو گا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے اس طرزِ عمل سے بیت المال کی آمدنی دُگنی ہو گئی۔

نیز مورخین نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں شرفاء یمن کی ایک جماعت شوقِ جہاد میں اپنے گھر بار چھوڑ کر آئی اور عرض کیا کہ ہم جہاد کے لیے اپنے گھروں اور مزروعہ زمینوں کو چھوڑ کر آئے ہیں ہمیں جہاد کے قریبی محل میں زمین عطا کی جائے تاکہ وہاں رہ کر ہم دُشمنانِ دین کے جہاد کے لیے حاضر اور تیار رہیں۔ اس لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے اُن کو فارس کی حدود پر جو زمینیں اور علاقے تھے وہ اُن کو دے کر آباد کیا تاکہ ظاہر میں زمیندار اور کاشت کار ہوں اور باطن میں مجاہد جاں نثار ہوں۔

؎ چشم بر اندیش کہ بر کندہ باد!
عیب نماید ہنرش در نظر

تفصیل کے لیے تحفۂ اثنا عشریہ کو دیکھئے۔

اعتراضِ چہارم

حضرت عثمانؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اپنے اخیافی بھائی ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی اور امیر مقرر کیا۔

جواب[1]

فتنہ پردازوں اور بات بات میں بے بات نکتہ چینی کرنیوالوں نے جب یہ اعتراض کیا تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں جواب ارشاد فرمایا :-

قال عثمان ما ولیت الولید لانه اخی وانما ولیت لانه ابن ام حکیم البیضاء عمة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتوأمة ابیه کذا فی العواصم والقواصم لابن العربی م۹۵ و م۹۶۔

حضرت عثمان نے کہا کہ میں نے ولید کو اس لیے والی نہیں بنایا کہ وہ میرا اخیافی بھائی یعنی ماں کے رشتہ سے بھائی ہے بلکہ اسلئے اسکو والی بنایا ہے کہ ولید رسول اللہؐ کی پھوپھی ام حکیم البیضاء کا بیٹا ہے اور یہ ام حکیم رسول اللہؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی جڑواں بہن ہیں جو انکے ساتھ پیدا ہوئی تھیں ۔

---

[1] دیکھو منہاج السنۃ از م۱۸۹ ج ۳ تا م۱۹۰ ج ۳ ۔

ولید بن عقبہؓ پانچ سال کوفہ کے امیر اور والی رہے۔ اُن کے بے مثال عدل اور انصاف اور بے مثال تواضع اور نرمی اور فقراء و غرباء کی خبر گیری اور مہمان نوازی نے محبوب خلائق بنا دیا۔ جس مکان میں ولید بن عقبہ رہتے تھے اس کا دروازہ ہی نہ تھا تاکہ اہلِ ضرورت اور اربابِ حاجت دن اور رات میں جس وقت چاہیں والی اور گورنر سے بالمشافہ اپنی ضرورت اور شکایت اور درخواست پیش کر سکیں ۔

فالستر دون الفاحشات ولا

یلقاک دون الخیر من ستر

جابجا غرباء اور فقراء کے لیے مہمان خانے اور لنگر خانے کھول دیئے تھے۔ مہینہ ختم ہونے پر بیت المال میں جس قدر مال ضرورت سے زائد بچتا وہ بچوں اور عورتوں اور غلاموں پر تقسیم کر دیتے ۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ غریبوں اور فقیروں کے حق میں نرم تھے اور اوباشوں اور شریروں کے حق میں سخت اور گرم تھے۔ مُلک کے اوباشوں میں ولید کے اس طرزِ عمل سے کھلبلی پڑ گئی اور مختلف طریقوں سے بارگاہِ خلافت میں ان کی شکایتیں شروع کر دیں اور امیر المؤمنین عثمان غنیؓ سے ان سے معزولی کا مطالبہ کیا اور طرح طرح سے ان کو بدنام کیا بالآخر حضرت عثمانؓ نے ولید کو کوفہ کی گورنری سے معزول کیا اور اُن کے بجائے

سعید بن العاص کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ کی شہادت کے بعد ولید بن عقبہ گوشہ نشین ہو گئے اور اپنی ایک زمین میں جو شہر رقہ سے پندرہ میل دور تھی وہاں جا کر مقیم ہو گئے۔ کذا فی حاشیہ العواصم والقواصم من ص ۹۴ الی ص ۹۲۔

نیز ہر امیر اور بادشاہ کو خاص کر فتنہ اور بغاوت کے زمانے میں ایسے وزراء اور حکام کی خاص ضرورت ہوتی ہے جن پر اعتماد اور وثوق کیا جا سکے۔ پس اگر کسی کو ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے وزراء اور مشیرین میسر نہ آئیں اور وہ بحالت مجبوری اپنے بعض اقارب کو والی مقرر کر دے جن کی خیر خواہی اور ہوشیاری اور دیانت داری پر اطمینان ہو تو کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔

(دیکھو منہاج السنۃ ص ۱۹۱ ج ۳)

پس اسی طرح اگر عثمان غنیؓ نے اپنے بعض اقارب کو کچھ عہدے دے دیئے تو قابل اعتراض نہیں۔ جیسے حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا اور عبیداللہ بن عباس کو یمن کا والی اور قثم بن عباس کو مکہ اور طائف کا والی مقرر کیا۔ اور مدینہ کا والی سہل بن حنیف کو، اور کہا جاتا ہے کہ ثمامہ بن عباس کو مدینہ کا والی مقرر کیا۔ اور مصر کا والی اپنے ربیب یعنی پروردہ محمد بن ابی بکر کو بنایا۔

(دیکھو منہاج السنۃ ص ۱۷۳ ج ۳)

اعتراض پنجم

حکم بن العاص کو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے جلا وطن فرمایا اور عثمان غنی رضؓ نے اس کو مدینہ میں آنے کی اجازت دی۔

جواب

اوّل تو یہ واقعہ کسی سندِ صحیح سے ثابت نہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اُس کو جلا وطن ہونے کا حکم دیا ہو بلکہ وہ خود اپنے اختیار سے گیا تھا۔ دوم یہ کہ اگر آپؐ نے یہ حکم دیا تھا تو بطور تنبیہ یا تعزیر تھا کوئی دائمی حکم نہ تھا۔ زانی اور بدکار کی تغریب (جلاوطنی) کا حکم بھی احادیث میں صرف ایک سال کے لیے آیا ہے دائمی نہیں۔ اور کسی گناہ و جُرم کی سزا، دائمی جلا وطنی۔ کتاب و سُنت سے کہیں ثابت نہیں کہ مجرم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جلا وطن رہے۔ پھر یہ کہ توبہ کا دروازہ قیامت تک کے لیے کھلا ہُوا ہے توبہ کے بعد بڑے سے بڑا جرم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ خلیفۂ وقت قصور دار کا سالہا سال کی جلا وطنی کے بعد اگر قصور معاف کر کے جلا وطنی کو منسوخ کر دے تو شرعاً اس کے لیے جائز ہے۔

(دیکھو منہاج السنۃ صفحہ ۲۳۵ ج ۳ و صفحہ ۱۹۶ ج ۳ اور دیکھو المنتقیٰ الذھبی صفحہ ۳۹۵)

لہ دیکھو منہاج السنۃ صفحہ ۱۸۹ ج ۳

نیز ناممکن ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کسی کی دائمی جلاوطنی کا حکم دیں اور عثمان غنیؓ اس کو واپس بلالیں اور صحابہ میں سے کوئی شخص عثمان غنیؓ کے اس فعل پر اعتراض اور انکار نہ کرے کہ آپ نے حکم کو مدینہ میں واپس آنیکی کیوں اجازت دی۔

(دیکھو منہاج السنۃ ص۱۹۷ ج ۳ و حاشیہ مختصر التحفۃ الاثنی عشریۃ ص۲۶۱)

علامہ محمد بن ابراہیم وزیر یمانیؒ الروض الباسم ص۱۴۱ ج ۱ میں لکھتے ہیں :۔

ذکر الحاکم المحسن بن کرامۃ المعتزلی المتشیع فی کتابہ شرح العیون ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذن فی ذلک بعثمان رضی اللہ عنہ وھذا الجواب مقنع ان صح الحدیث لکنی لم اعرف صحتہ فاما المعتزلۃ والشیعۃ من الزیدیہ وغیرھم فیلزمھم قبولہ وترک الاعتراض علی عثمانؓ بذلک لان راوی الحدیث عندھم من المشاھیر بالثقۃ والعلم وصحۃ العقیدۃ ۔ الخ الروض الباسم۔ ص۱۴۱ ج ۱ ۔

حسن بن کرامہ معتزلی شیعی نے اپنی کتاب شرح العیون میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان غنی کو اسکی اجازت دیدی تھی کہ حکم کو واپس بلالیں۔ یہ جواب تشفی بخش ہے بشرطیکہ یہ روایت صحیح ہو لیکن مجھے اس روایت کی صحت کا علم نہیں ہوا البتہ معتزلہ اور شیعہ اور زیدیہ کو اس روایت کا قبول کرنا لازم ہے اور یہ ضروری ہے کہ حضرت عثمان پر اعتراض ترک کر دیں ۔ کیونکہ اُن کے نزدیک اس حدیث کا راوی مشہور ثقہ اور صاحب علم اور صحیح العقیدہ ہے۔

اور اسی طرح تحفۂ اثنا عشریہ میں بھی ہے۔

اور قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں :۔

قال علماء نا فی جوابہ دوی فی رد الحکم قد کان اذن لہ فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا فی العواصم من القواصم ص۸۳ ۔	ہمارے علماء اہلِ سُنت حکم کی واپسی کے بارہ میں یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اس امر کی اجازت دے دی تھی کہ حکم کو واپس بُلا لیں۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مرتد ہو گیا تھا اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فتح مکہ کے دن اس کا خون مباح فرمایا تھا کہ جہاں ملے قتل کر دیا جائے مگر جب حضرت عُثمان، عبداللہ بن سعد کو لیکر حضور پُرنور کی خدمت میں حاضر ہوئے عثمان ذی النورین نے اُنکی سفارش کی تو اُس کا قصور معاف ہُوا اور ظاہر ہے کہ حکم کا قصور اور جرم عبداللہ بن سعد کے جرم سے کم تھا۔ پس اگر عبداللہ بن سعد کا جُرم حضرت عثمانؓ کی سفارش سے معاف ہو سکتا ہے تو حکم کا جُرم حضرت عثمانؓ کی سفارش سے کیوں مُعاف نہیں ہو سکتا ۔

(دیکھو منہاج السنۃ ص ۱۹۶ ج ۳)

اس کے علاوہ اور بھی جوابات ہیں۔ حضرات اہلِ علم منہاج السنۃ کی مراجعت کریں۔

اعتراض ششم[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان جیسے فتنہ پرداز شخص کو اپنا خاص پیش کار اور خاص کار پرداز کیوں بنایا جس نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے محمد بن ابی بکر کے بارے میں صریح مکر کیا کہ بجائے اقبلوہ کے اقتلوہ لکھدیا جو راستہ میں پکڑا گیا اور لوگوں کا مطالبہ یہ تھا کہ مروان ان کے حوالے کیا جائے تو عثمان غنی نے مروان کو اُن کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔

جواب

یہ خط سراسر جعلی تھا جس کو فتنہ پردازوں اور باغیوں کے سرغنوں نے تیار کیا تھا۔ مصر اور عراق کے بلوائی حضرت عثمان غنیؓ کے شافی جوابات سے مطمئن ہو گئے اور مصری مصر کی طرف واپس ہوئے اور عراقی عراق کی طرف واپس ہوئے تو بلوائیوں کے دو سرغنہ اشتر اور حکیم بن جبلہ مدینہ رہ گئے اور اپنے اپنے شہر کو واپس نہ ہوئے اور مصر اور عراق کے قافلوں کی واپسی کے بعد دو خط تیار کیے اور دو سواروں کے ہاتھ روانہ کیے ایک خط حضرت عثمانؓ کی طرف سے والیٔ مصر

---

[1] دیکھو منہاج السنۃ ص ۱۸۹ ج ۳ و ص ۱۸۵ ج ۳ و ص ۱۹۷ ج ۳ ذکر مطاعن سیدنا عثمانؓ اور دیکھو مختصر التحفۃ الاثنی عشریۃ ص ۲۵۹۔

کے نام بنایا جس میں یہ مضمون تھا کہ محمد بن ابی بکر کو قتل کردو۔ اس خط پر حضرت عثمانؓ کی مہر تھی۔ اور دُوسرا خط حضرت علیؓ کی طرف سے اہلِ عراق کے قافلہ کے نام لکھا گیا۔ جس میں یہ مضمون تھا کہ عراق والے مدینہ واپس آجائیں۔ اس خط پر حضرت علیؓ کی مہر تھی۔

یہ دونوں خط دونوں قافلوں یعنی مصری اور عراقی قافلہ کو بیک وقت ملے اور دونوں قافلے بیک وقت مدینہ واپس پہنچے۔ حضرت علیؓ اور اکابر صحابہ مفسدین کے دونوں قافلوں کی معاً واپسی کو دیکھ کر حیران ہوگئے اور ان مفسدین سے پُوچھا کہ تم کیسے اور کیوں واپس آئے۔ جماعتِ مصر نے اس خط کا ذکر کیا جو عثمان غنی کے نام سے جاری ہُوا تھا۔ حضرت علی نے جماعت عراق کی طرف ملتفت ہو کر سوال کیا کہ تم لوگ کیوں واپس آئے۔ اہل عراق نے کہا کہ کیا آپ نے ہم کو واپسی کے متعلق خط نہیں لکھا کہ جس میں آپ نے ہم کو یہ حکم دیا تھا کہ مدینہ واپس آجاؤ۔ اس لیے ہم آپ کے حکم کے مطابق راستہ ہی سے مدینہ واپس آگئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! میں نے تم کو کوئی خط نہیں لکھا اور نہ مجھے اس کا کوئی علم ہے۔

معترضین بتلائیں کہ اگر بالفرض مروان نے حضرت عثمان کی طرف سے کوئی تحریر لکھ دی اور اس پر حضرت عثمان کی مہر بھی لگادی تو حضرت علیؓ کی طرف سے کس نے خط لکھ دیا اور کس نے اس خط پر حضرت علی کی مہر لگادی۔ معلوم ہُوا کہ

دونوں خط جعلی تھے۔ (دیکھو حاشیۂ المنتقی للحافظ الذہبی از ص۳۰۸ تا ص۳۰۹)

اور انہی مفسدین نے ازواج مطہرات کی طرف سے بھی کچھ خطوط بنائے۔ جن میں حضرت عثمان کے حکومت اور اُن کے عمال اور حکام کی شکایت تھی اور یہ فتنہ پرواز ازواج مطہرات کے ان جعلی خطوط کو لوگوں کو سنا سنا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ملک میں ہیجان پیدا کرتے تھے۔ دیکھو حاشیۂ العواصم من القواصم ص۱۰۹ و ص۱۱۱۔

اور روافض کو معلوم ہے کہ مروان ثقہ ہے۔ امام زین العابدین نے اُس سے روایت کی ہے۔

اور اہلِ سُنت کے نزدیک تو مروان کی ثقاہت اور عدالت معلوم اور معروف ہے۔ سعید بن المسیب اور مدینہ منورہ کے بقیہ فقہاء سبعہ نے مروان سے روایت کی ہے اور عروۃ بن زبیر کی روایت۔ مروان سے صحیح بخاری کی کتاب الوکالۃ میں موجود ہے اور مسند احمد میں بھی متعدد جگہ مذکور ہے دیکھو حاشیۂ المنتقی الذہبی ص۳۰۸

چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد

حیرت کا مقام ہے کہ ان فتنہ پردازوں نے خود ہی تو مروان کے نام سے ایک جعلی خط تیار کیا اور پھر اسی خط کو لا کر عثمان غنی کے سامنے پیش کر کے مروان کے قتل کا مطالبہ کیا۔

فقد قالهم عثمان اما ان
تقيموا شاهدين على
ذلك والا فيميني انى ما
كتبت ولا امرت وقد
يكتب على لسان الرجل
ويضرب على خطه وينقش
على خاتمه فقالوا لتسلم
لنا مروان فقال لا افعل
ولو سلمه لكان ظالما ۔

عثمان غنی نے جواب دیا کہ یا تو اس پر دو
گواہ پیش کرو کہ یہ تحریر اور خط میرے قلم
کا ہے ورنہ مجھ سے قسم لے لو کہ خدا کی
قسم یہ خط نہ میں نے لکھا اور نہ میں نے
اس کا حکم دیا۔ بسا اوقات انسان کیطرف
سے فرضی خط بھی لکھ لیا جاتا ہے اور اس
کی مہر بھی اس پر لگالی جاتی ہے۔
مفسدین نے کہا کہ آپ مروان کو ہمارے
حوالے کر دیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا
بغیر ثبوت اور شہادت کے میں ایسا نہیں کروں گا اور اگر بالفرض والتقدیر
محض مفسدین کے مطالبہ پر بلا کسی ثبوت کے مروان کو ان کے حوالے
کر دیتے تو یہ ظلم ہوتا۔

وانما عليهم ان يطلبوا حقهم عنده
على مروان وسواه فما ثبت كان
منفذه واخذه والممكن لم يأخذ
بالحق ومع سابقة وفضيلة ومكانته
لم يثبت عليه ما يوجب

ان کا فرض یہ تھا کہ مروان پر جو اُن کا
حق اور دعوے تھا وہ پیش کرتے
اگر ثابت ہو جاتا تو حضرت عثمانؓ اُسکو
جاری اور نافذ فرماتے لیکن مروان پر
کوئی ایسی بات بھی ثابت نہ ہو سکی جو

خلفه فضلا من فتله کذا في العواصم من القواصم صہ ۱۴ ۔

اس کی معزولی کا سبب بن سکتی چہ جائیکہ اس کے قتل کا موجب ہوتی ۔ (العواصم من القواصم)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان نے یہ جواب دیا کہ بخدا نہ میں نے اس خط کو لکھا ہے اور نہ مجھ کو اس کا علم ہے اور نہ میں نے لکھنے کا حکم دیا ہے ۔ حضرت عثمانؓ نے تو اپنے ہی دشمنوں اور قاتلوں کے قتل کی اجازت نہ دی وہ دوسروں کے قتل کا کیسے حکم دیتے ۔

اعتراض ہفتم

حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ایک بدعت کا ارتکاب کیا کہ جمعہ کے دن اذان ثانی کا اضافہ کیا ۔

جواب

تمام صحابہ کرام مہاجرین اور انصار نے حضرت عثمانؓ کے اس عمل کو مستحب اور مستحسن سمجھا اور حضرت علیؓ نے بھی اس کی موافقت فرمائی حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس اذان ثانی کو برقرار رکھا اور اسی پر تمام مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ کی بیس رکعت سُنت تراویح پر تمام صحابہ نے موافقت کی اور ائمہ مجتہدین نے اس کو اپنا مسلک قرار دیا اور حضرت علی کے دورِ خلافت

میں اذانِ ثانی اور بیس رکعت تراویح کی سُنت برابر جاری رہی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اگر چاہتے تو اپنے دورِ خلافت میں اذان ثانی اور تراویح کو ممنوع قرار دے سکتے تھے۔ اذان ثانی اور تراویح کا موقوف کر دینا محاربۂ صفین سے زیادہ دشوار نہ تھا۔ دیکھو منہاج السنۃ ص۲۲۴ ج ۳ والمنتقی ص۲۹۹۔

اطلاع

ہم نے اس وقت معترضین کے چند اعتراضات کے جوابات لکھ دیئے ہیں۔ حضرات اہل علم اگر مزید تحقیق کے خواہشمند ہوں تو منہاج السنۃ جلد ثالث باب مطاعن سیدنا عثمانؓ و تحفۂ اثنا عشریہ کی مراجعت کریں۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرًا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی افضلیت

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علی کرم[1] اللہ وجہہ تمام صحابہ کرام سے افضل و اکمل تھے عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد ماہ ذی الحجۃ الحرام ۳۵ھ میں مدینہ منورہ میں تمام مہاجرین و انصار نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کی بیعت کو لکھ کر

[1] اکثر علماء اہل سُنت لفظ کرم اللہ وجہہ خاص حضرت علی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ دیگر صحابہ کے لیے استعمال نہیں کرتے۔ تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ خبیث خوارج حضرت علی کو سود اللہ وجہہ کے لفظ سے ذکر کرتے تھے اسلیئے اہلسنت نے اُن کے برخلاف کرم اللہ وجہہ مقرر کیا۔ واللہ اعلم۔

تمام بلادِ اسلامیہ میں بھیج دیا گیا۔ سب نے اطاعت قبول کی سوا اہلِ شام کے کہ اُنہوں
نے بیعت نہیں کی۔ فتح الباری ص۵ ج ، مناقب علی۔

قال ابو عمر فی الاستیعاب
بویع لعلی بالخلافۃ یوم قتل عثمان
واجمع علی بیعتہ المہاجرون
والانصار وتخلف عن بیعتہ نفر منہم
فلم یہجہم ولم یکرہم وسئل
عنہم فقال اولئک قوم قعدوا
عن الحق ولم یقوموا مع
الباطل وفی روایۃ اُخری
اولئک قوم خذلوا الحق ولم ینصروا
الباطل قرۃ العینین للشاہ
ولی اللہ۔ ص۲۸۰۔

حافظ ابو عمر بن عبد البر استیعاب میں لکھتے
ہیں کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت
اسی دن ہوئی کہ جس دن حضرت عثمانؓ شہید
کئے گئے اور تمام مہاجرین اور انصار نے
بالاتفاق حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔
صرف چند نفر ایسے تھے کہ جنہوں نے بیعت
نہیں کی لیکن حضرت علی نے ان لوگوں پر
کوئی سختی نہیں کی اور نہ کوئی زور ڈالا
کہ جبر و اکراہ سے بیعت لیتے اور جب
اس نفر کے متعلق حضرت علی سے سوال کیا
گیا تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ حق کی حمایت سے
بیٹھ گئے اور باطل کے ساتھ کھڑے نہیں ہوئے۔ اور ایک روایت میں
ہے کہ یہ فرمایا کہ یہ لوگ حق کی نصرت اور اعانت سے علیحدہ رہے اور
باطل کی بھی مدد نہیں کی۔ قرۃ العینین ص۲۸۰۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد اگرچہ خلافت چھ آدمیوں میں دائر تھی مگر

اخیر میں صرف حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں دائر رہ گئی تھی۔ اس لیے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ بلا کسی اختلاف کے خلیفہ مقرر ہو گئے۔ نیز حضرت علیؓ خلفاء ثلاثہ کے وزیر و مشیر رہے اور حضرت عثمانؓ کے اخیر زمانۂ خلافت میں فتنہ پردازوں نے ہر چند چاہا کہ عثمان غنیؓ کو معزول کر کے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنائیں۔ مگر حضرت علی نے کسی طرح اس کو منظور نہیں کیا اور اُن کے دھوکہ میں نہیں آئے بلکہ باغیوں کے مقابلہ میں اپنے بیٹے امام حسن کو حضرت عثمان کی حفاظت کے لیے دروازہ پر مقرر کیا اور خود ممکن طریقہ سے باغیوں کو سمجھاتے رہے۔ غرض یہ کہ حضرت علی مرتضٰی کی خلافت بالاتفاق اہل حل و عقد کی بیعت سے منعقد ہوئی۔ بالاتفاق مہاجرین اور انصار اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے سب نے بیعت کی اور بعد میں حضرت طلحہ اور زبیر نے جو اختلاف کیا وہ استحقاق خلافت کے بارے میں نہ تھا بلکہ حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص کے بارے میں تھا۔ یہ لوگ قاتلین عثمانؓ سے فوری طور پر قصاص چاہتے تھے اور حضرت علیؓ نے اس میں تاخیر فرمائی اور علی ہذا حضرت معاویہؓ سے جو لڑائی ہوئی وہ بھی خلافت کے بارے میں نہ تھی۔ اس کا تعلق بھی حضرت عثمان کے قصاص ہی سے تھا۔ حضرت علیؓ کی جانب سے تاخیر کی وجہ یہ ہوئی کہ باغیوں کی جماعت کی کثرت اور قوت کی بناء پر فی الفور قصاص لینا حضرت علیؓ کی قدرت میں نہ تھا۔ نیز

قاتل کوئی متعین نہ تھا۔ ایک جماعت اس میں ملوث تھی نیز یہ لوگ محض قاتل نہ تھے بلکہ باغی تھے اور باغی اور قاتل کے احکام شریعت میں مختلف ہیں۔ سو عجب نہیں کہ حضرت علی نے یہ گمان فرمایا ہو کہ یہ لوگ خلیفۂ برحق یعنی عثمان غنیؓ سے باغی تھے اور اب اُن کی شہادت کے بعد جب دوسرے خلیفۂ برحق کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں تو اب باغی نہیں رہے اور باغی جماعت زمانۂ بغاوت میں اگر کوئی کشت و خون اور جانی و مالی نقصان کرے تو بغاوت سے تائب ہو جانے کے بعد شرعاً اس پر مواخذہ نہیں۔ جیسے کفر سے تائب ہو جانے کے بعد شرعاً اُن افعال کا مواخذہ نہیں ہے کہ جو قبل از اسلام سرزد ہو چکے ہیں۔ کما قال تعالیٰ ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف و الاسلام یھدم ما کان قبلہ۔ ماخوذ از قرۃ العینین ص ۲۷۹۔

عدم انتظام خلافت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد میں خلافت منتظم نہ ہوئی اور طرح طرح کے فتنے اور خرخشے پیش آئے۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ حضرت علی خلافت خاصہ وحقہ کے صفات کاملہ اور خلافت راشدہ کے کمالات فاضلہ سے موصوف نہ تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حق تعالےٰ نے حوادث خیر و شر کو مختلف اوقات اور مختلف زمانوں پر تقسیم کیا ہے اور عالم غیب میں ہر

واقعہ کے حدوث کے لیے ایک خاص وقت مقرر فرمایا ہے تاکہ ابتلاء اور امتحان کی حکمت ظہور پذیر ہو۔ بنی اسرائیل کی نسبت حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:
وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۔ اسی طرح حق تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بندوں کو آگاہ فرمایا کہ آپ کے بعد خلافت کب تک قائم رہے گی اور کیا کیا تغیّرات اور حوادث اور فتن پیش آئیں گے۔ چنانچہ آپ کی پیشین گوئی کے مطابق وہ حوادث اور فتن مختلف اوقات میں واقع ہوئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح حضرت عثمان کے متعلق ابتلاء اور فتنہ کی خبر دی۔ اسی طرح آنحضرتؐ نے علیؓ کے متعلق خبر دی کہ اُمت حضرت علی پر متفق نہ ہوگی اور اس سے اپنی آزردگی ظاہر فرمائی۔

اخرج الطبرانی وابو نعیم عن جابر بن سمرة قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لعلیؓ انک مؤمر مستخلف وانک مقتول وان ھذہ مخضوبة من ھذہ یعنی لحیتہ من رأسہ ۔	طبرانی اور ابونعیم نے جابر بن سمرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے یہ فرمایا کہ تم امیر اور خلیفہ بنائے جاؤ گے اور تم مقتول ہوگے اور تمہاری یہ داڑھی سر کے خون میں رنگین ہوگی۔

واخرج الحاکم عن علی رض قال مما عهد الی النبی صلی الله علیه وسلم ان الامة ستغدر بی بعده ۔

اور حاکم نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جن باتوں کا عہد لیا ہے ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ مسلمانوں کی جماعت مجھے بُرا جانے گی۔

واخرج الحاکم عن ابن عباس قال قال النبی صلے الله علیه وسلم لعلی اما انک ستلقی بعدی جهدا قال فی سلامة من دینی قال فی سلامة من دینک ۔ ازالة الخلفاء ص۳۱۵ ج ۲۔

اور حاکم نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ایک دن حضرت علیؓ سے یہ فرمایا کہ تو میرے بعد بڑی جہد اور مشقت میں مبتلا ہوگا حضرت علی نے عرض کیا۔ کیا میرے دین کی سلامتی کے ساتھ یعنی کیا اس مشقت میں میرا دین بھی صحیح سالم رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں تمہارے دین کی سلامتی کیساتھ یعنی اُس مشقت میں تمہارا دین بالکل صحیح و سالم رہے گا۔

واخرج احمد عن علی قال قیل یارسول الله من نؤمر بعدک قال ان تؤمروا ابابکر تجدوه

امام احمد نے حضرت علی سے روایت کیا کہ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! آپ کے بعد کس کو خلیفہ بنائیں تو آنحضرت صلعم نے

هاديا امينا زاهدا في الدنيا	فرمایا اگر تم ابو بکر کو خلیفہ بناؤ گے تو تم
راغبا في الآخرة وان تومروا عمر	ان کو ہدایت کرنیوالا امانتدار دُنیا سے
تجدوہ قویا امینا لایخاف	بے رغبت اور بے تعلق اور آخرت کا
في الله لومة لائم وان تؤمروا	راغب اور طلبگار پاؤ گے اور اگر عمر کو خلیفہ
علیا ولا اراکم فاعلین تجدوہ	بناؤ گے تو ان کو قوی اور امانتدار اور
هادیا مهدیا یأخذ بکم	خدا کے معاملہ میں کسی ملامت سے نہ
الطریق المستقیم ۔	ڈرنے والا پاؤ گے اور اگر علی کو خلیفہ
ازالۃ الخفاء ص۲۷۵ ج ۲ ۔	بناؤ گے اور مجھے امید نہیں کہ تم ایسا

کرو گے تو تم ان کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے کہ
وہ تم کو ٹھیک سیدھے راستہ پر لے چلے گا ۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشاد ولا اراکم فاعلین میں اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت علی کی خلافت منتظم نہ ہو گی اور رعیت اُن کی کماحقہٗ اطاعت نہ کرے گی ایسی خلافت نہ ہونے کے حکم میں ہے اس لیے ولا اراکم فاعلین فرمایا اور تجدوہ هادیا مهدیا الخ میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت علی اس وقت حق پر ہونگے اور جو اُنکا متبع اور پیرو ہو گا اور صراط مستقیم پر ہو گا ۔ مطلب یہ ہُوا کہ حضرت علی اپنے زمانۂ خلافت میں خلافت راشدہ کے علی وجہ الکمال والتمام اہل اور مُستحق ہونگے مگر اُمت ان پر متفق نہ ہو گی ۔

اور جو صحابہ حضرت امیر سے آزردہ خاطر ہو کر حضرت معاویہ کے پاس چلے گئے سو اُن صحابہ کی آزردگی بھی بوجہ شکایت تھی ورنہ حضرت امیر کی اہلیت خلافت اور اُن کی افضلیت سے ان صحابہ کو بھی انکار نہ تھا خود انہی صحابہ سے حضرت امیر کے مناقب اور فضائل میں بکثرت روایات مروی ہیں اور صحابۂ کرام خواہ کسی جانب رہے مگر حضرت امیر کے فضائل اور مناقب شائع کرنے میں کسی نے دریغ نہیں کیا۔ البتہ بعض صحابہ جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص اور محمد بن مسلمہ اور اسامہ بن زید اور عبداللہ بن عمر وغیرہم کمال ورع اور غایت احتیاط کی بناء پر اہل اسلام کی لڑائی میں کسی جانب بھی شریک نہیں ہوئے اور ایسے حضرات کو حضرت علی نے بھی معذور سمجھا اور ان کے حق میں یہ فرمایا :

هولاء قعدوا عن الباطل ولم يقوموا مع الحق ۔

یہ لوگ باطل اور ناحق کی مدد کرنے سے بھی علیحدہ بیٹھے رہے اور امر حق کی مدد کرنے کے لیے بھی کھڑے نہ ہوئے۔

(ماخوذ از فتاوےٰ عزیزی)

نکتہ

امام اعظم ابوحنیفہؒ سے دریافت کیا گیا کہ لوگ حضرت علی کی خلافت پر جمع کیوں نہ ہوئے اور آپ سے تنفر کا کیا سبب ہوا تو یہ فرمایا کہ حضرت علیؓ حق بات کے اظہار میں کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے اور کسی بات میں مداہنت

کو روا نہ رکھتے تھے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ زاہد تھے اور زاہد کا دنیاداروں سے میل ملاپ نہیں ہو سکتا اور حضرت علی عالم تھے اور عالم کسی کی خوشامد نہیں کرتا اور شجاع اور بہادر تھے اور بہادر کسی سے ڈرتا نہیں اور شریف تھے اور شریف کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس لیے لوگ آپ سے دور اور متنفر رہے۔ کذا فی تکمیل الایمان للشیخ عبدالحق الدہلوی۔

نکتۂ دیگر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں فتوحات اسلام کا سلسلہ بالکل بند رہا معاذ اللہ حضرت علی کی اہلیت اور شجاعت اور سیاست میں کوئی کمی نہ تھی۔ عالم اسباب میں سوائے باہمی اختلافات کے اور کوئی وجہ نظر نہیں آئی۔ حضرات شیعہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ صحابہ حضرتِ امیر کے مخالف تھے اور آپ کا خلیفہ ہونا نہیں چاہتے تھے اس لیے انہوں نے قصداً آپ کی خلافت میں رخنہ ڈالنے کے لیے بغاوت اور فتنہ اور فساد برپا کر رکھا تھا اور پہلے تینوں خلفاء کے جان و مال سے معاون رہے اور شریک حال رہے پس یہی اشخاص جناب امیر کے زمانہ میں فتوحات نہ ہونے کا باعث ہوئے۔

جواب

یہ سراسر غیر معقول ہے اس صورت میں ایک مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ تمام صحابہ نبی کریم اور خلفاء ثلاثہ کے تو دل وجان سے معاون اور مددگار رہے اور حضرت علی کا سوائے دو، چار شخصوں کے کوئی بھی موافق نہ رہا۔ سوائے دو، چار کے سب ہی مخالف ہو گئے۔ ضرور ہے کہ ان بزرگوں میں کوئی کمال تھا جو حضرت علی میں نہ تھا اور حضرت امیر کی ذات میں کوئی بات ایسی ضرور تھی جس کی وجہ سے سب مخالف بن گئے۔

نیز اگر صحابہ کرام حضرت علیؓ کے مخالف ہوتے تو آپ کو خلیفہ ہی نہ بننے دیتے جیسے صدیق اکبر کے ہوتے ہوئے کسی کو خلیفہ نہیں بننے دیا اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو حضرت علی خلیفہ مقرر ہوئے وہ مہاجرین اور انصار ہی کے اتفاق سے مقرر ہوئے حضرت علی اپنی شجاعت اور قوت ظاہری و باطنی سے خلیفہ نہیں بنے۔ صحابہ اگر چاہتے تو حضرت امیر کو خلیفہ ہی نہ ہونے دیتے اور اُن کو خلیفہ بنا کر فتنہ اور فساد اور بغاوت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اور اگر حضرات شیعہ یہ کہیں کہ حضرت امیر کے زمانہ میں فتوحات نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس علیم وحکیم نے اپنی حکمتِ کاملہ سے یہی مقدر فرمایا تھا تو اہلسنت عرض کرینگے کہ درست ہے خداوند علیم وحکیم نے اپنی حکمت بالغہ سے

یہی مقصد فرمایا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ثلاثہ علی الترتیب خلیفہ ہوں اور عرب وعجم اُن کے ہاتھ پر فتح ہو اور مشرق ومغرب کا خراج حضرت عثمانؓ کے زمانے میں مدینہ منورہ کے بیت المال میں آکر جمع ہو اور حضرت عثمان غنی اس مال کو مسلمانوں پر خرچ کریں۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔

نکتہ

جس طرح احادیث کثیرہ سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ امت حضرت علی پر مجتمع اور متفق نہ ہو گی اسی طرح احادیث کثیرہ سے یہ مضمون ثابت ہے کہ حضرت علی اپنی زمانہ خلافت میں ہادی اور مہدی ہوں گے اور مسلمانوں کو سیدھے راستہ پر لے جائیں گے اور حق ان کے ساتھ دائر ہو گا۔ حضرت علی جدھر ہونگے حق بھی ادھر ہو گا اور آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا:

من فارقک یاعلی فقد فارقنی اخرجہ الحاکم عن ابی ذر۔

اے علی! جو تجھ سے جُدا ہوُا وہ مجھ سے جُدا ہوُا۔ اس حدیث کو حاکم نے ابوذر سے روایت کیا۔

اس بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلافت سے دستبردار نہ ہوئے اور

اپنی مقدرت کے مطابق اس کے استحکام میں پوری کوشش کرتے رہے تاکہ قیامت کے دن خلفاء راشدین کے زمرہ میں مبعوث ہوں جیسا کہ حضرت عثمانؓ نے کیا کہ لوگوں کے شور وغوغا کی وجہ سے خلافت سے دستبردار نہ ہوئے۔ اس لیے کہ حضرت علی مرتضےٰ کو یقین تھا کہ میں حق پر ہوں کوئی وجہ نہیں کہ میں بلاوجہ حق سے دستبردار ہو جاؤں رہا لوگوں کا تشتت اور افتراق اور امام برحق پر مجتمع نہ ہونا سو اس کے متعلق وہ جانتے تھے کہ قضاء و قدر میں یہ طے ہو چکا ہے کہ امت مجھ پر جمع نہ ہو گی۔ لیکن یہ امر تکوینی ہے جس کا بندہ مکلف نہیں۔ اور خلافت حقہ کی استحکام میں سعی اور کوشش کرنا یہ امر تشریعی ہے اس لیے حضرت علی نے امر تکوینی کی وجہ سے امر تشریعی کی جدوجہد میں کوئی کمی نہیں کی۔

ما بندۂ عبودیت شعاریم مارا با فتح و شکست چہ کار۔

نبی کو اگر بذریعہ وحی اور الہام یہ معلوم ہو جائے کہ لوگ مجھ پر ایمان نہیں لائیں گے اور مجھ کو قتل کر دیں گے تو اللہ کا نبی باوجود اس علم کے تبلیغ اور دعوت حق میں کمی نہیں کرتا اسی طرح حضرت علیؓ نے باوجود اس علم کے کہ اُمت مجھ پر مجتمع اور متفق نہ ہو گی اور مجھ کو قتل کرے گی۔ احکام شریعت کے اجراء اور تنفیذ میں کوئی کمی نہیں کی اور علاوہ ازیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت کے متعلق متعدد امور کی خبر دی منجملہ اُن کے ظہور خوارج اور روافض کی خبر دی کہ حضرت علی کے بارے میں دو گروہ افراط اور تفریط کرنیوالے

پیدا ہوں گے۔

اخرج الحاکم عن علی رضی اللہ
عنہ قال دعانی رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
فقال یا علی ان فیک من
عیسیٰ علیہ السلام مثلاً ابغضتہ
الیہود حتی بھتوا امہ واحبتہ
النصاری حتے انزلوہ بالمنزلۃ
التی لیس لھا قال وقال علے الا
وانہ یھلک فی محب مطری بمالیس
فی ومبغض مفتری یحملہ شنأنی
علے ان یبھتنی الاوانی لست
بنبی ولا یوحے الی ولکنی اعمل
بکتاب اللہ وسنۃ نبیہ صلے اللہ
علیہ وسلم بما استطعت فما
امرتکم بہ من طاعۃ اللہ
فحق علیکم طاعتی مما احببتم

حاکم نے حضرت علی سے روایت کیا کہ انہوں
نے کہا کہ ایک دن مجھ کو رسول اللہ صلعم نے
بلایا اور یہ فرمایا کہ اے علی تجھ میں کچھ
مشابہت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ہے
یہودیوں نے ان کو مبغوض رکھا یہاں
تک کہ اُن کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ
پر تہمت لگائی اور نصاری نے اُن کو اس
درجہ محبوب بنایا کہ اُن کو اس مرتبہ پہ
پہنچایا کہ جو اُن کے لیے لائق نہ تھا یعنی
ان کو خدا اور خدا کا بیٹا بنالیا۔ راوی کہتا
ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ کہ
حضرت عیسےٰ کی طرح میرے بارہ میں بھی دو
گروہ ہلاک ہوں گے ایک گروہ تو وہ ہے
کہ جو میری محبت میں غلو کریگا اور حد سے
زائد میری تعریف کرے گا (یہ شیعوں کا
گروہ ہے) اور دوسرا گروہ ہے کہ جو

اذكرهتم وما امرتكم بمعصية	مجھ سے بغض رکھے گا اور مجھ پر بہتان باندھیگا
انا وغيري فلا طاعة لاحد في	(یہ خارجیوں کا گروہ ہے) اور یہ دونوں
معصية الله عز وجل و انما	گروہ ہلاک ہو جائیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں
الطاعة في المعروف -	نبی نہیں اور نہ میری طرف کوئی وحی آتی ہے
ازالة الخفاء صـ ۲۶۹ ج ۲ -	بلکہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا

متبع ہوں پس جب میں تم کو اللہ کی اطاعت کا حکم دوں تو تم پر میری اطاعت واجب ہے چنانچہ حضرت علی نے خوارج سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا اور روافض کو برسر منبر شیخین کی افضلیت کی تلقین کی۔ خواہ تم پسند کرو یا ناپسند اور بالفرض جب میں تم کو کسی معصیت اور گناہ کا حکم دوں تو خوب سمجھ لو کہ خدا کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں۔ اطاعت صرف خیر اور بھلائی میں ہے۔

پس جس طرح حضرت عیسےٰ کے بارہ میں یہود اور نصاریٰ دونوں باطل پر ہیں اور صرف اہل اسلام حق اور صراط مستقیم پر ہیں کہ حضرت عیسےٰ کو خدا تعالیٰ کا بندہ اور رسول برحق اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ سمجھتے ہیں اسی طرح حضرت علی کے بارہ میں خارجی اور رافضی دونوں گروہ گمراہ اور ہالک ہیں اور صرف اہلسنت و الجماعت حضرت علی کے سچے محب اور سچے پیرو ہیں کہ دل وجان سے اعتدال کے ساتھ اُن کو محبوب رکھتے ہیں اور محبت میں ایسا غلو نہیں کرتے کہ ان کو اُن کے مرتبہ سے بڑھا دیں اور نہ معاذ اللہ ان سے کدورت رکھتے ہیں

شیعانِ علی بمنزلہ نصاریٰ کے ہیں اور خارجی بمنزلہ یہود کے ہیں اور اہلسنت والجماعت افراط اور تفریط کے ٹھیک درمیان صراطِ مُستقیم پر ہیں اور کذلک جعلناکم امۃ وسطا کے مصداق ہیں۔

حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں خوارج سے جہاد و قتال کیا اور ان کو تہ تیغ کیا اور جن لوگوں نے حضرت علی کی محبت میں غلو کیا ان کو بار بار اپنے دار الخلافت کوفہ میں بر سر منبر یہ بتلایا کہ ابوبکر و عمر اس امت کے افضل اور بزرگ ترین ہیں اور جن لوگوں نے حضرت علی کو خدا کہا ان کو قتل کیا اور آگ میں جلایا اور ان تمام امور میں اہل سنت حضرت علی کے دست و بازو رہے۔ اہل سُنت نے حضرت علی کے حکم سے خارجیوں سے جہاد و قتال کیا اور مدعیانِ محبّت کو ابوبکر و عمر کی افضلیت کی تفہیم و تلقین کی اور حضرت علی کی محبت میں اُن کے صحیح مقام اور صحیح مرتبہ کو ملحوظ رکھا۔

بیان فرق درمیان خلافت شیخین و خلافت ختنین

ارواح شیخین یعنی ابوبکر و عمر کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مُبارک سے وہ نسبت تھی کہ جو ایک صاف و شفاف آئینہ کو آفتاب سے ہوتی ہے کہ جب وہ آئینہ آفتاب کے محاذات میں واقع ہوتا ہے تو آفتاب کی شعاعیں ایسی جذب کر لیتا ہے کہ دیکھنے میں آفتاب کا ہمرنگ ہو جاتا ہے کہ

ظاہر نظر میں شناخت مشکل ہو جاتی ہے ۔

رق الزجاج و رقت الخمر　　فتشابها و تشاکل الامر

فکانما خمر ولا قدح　　وکانما قدح ولا خمر

صدیق اکبرؓ کو روح نبوی کے ساتھ قوت عاقلہ میں زیادہ تشبہ حاصل تھا۔ صدیق اکبر کو فنا فی الرسول کا اعلےٰ ترین مقام حاصل تھا اسی وجہ سے صدیق اکبر کا سینہ شعاعہائے نبوّت کا مخزن اور مظہر اتم بنا ہوا تھا۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا صدیق اکبرؓ کے بارے میں یہ ارشاد: لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا ۔ اسی مقام فنار کی طرف اشارہ ہے۔

اور فاروق اعظمؓ کو تو روح نبوی کے ساتھ قوت عاملہ میں تشبہ زیادہ حاصل تھا اسی وجہ سے کارہائے نبوّت اور مقاصد رسالت کے زیادہ تکمیل اُن کے ہاتھوں پر ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فرمانا لو کان بعدی نبی لکان عمر اسی طرف اشارہ ہے ۔

اور روح مرتضوی کو روح نبوی کے ساتھ وہ نسبت ہے کہ جو قمر کو آفتاب سے ہوتی ہے کہ نور قمر اگرچہ آفتاب ہی سے مستفاد ہوتا ہے مگر اس کی صورت آفتاب کی صورت سے مختلف ہوتی ہے ۔ صاف و شفاف

آئینہ کی طرح قمر۔ آفتاب کا ہم رنگ نہیں ہو جاتا اس لیے چاند اور سورج کے احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔

نیز شیخین کے زمانۂ خلافت میں شان نبوت غالب رہی اور حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں شان ولایت کا ظہور ہوا کہ جو شانِ ولایت روح نبوی میں مستور اور مندرج تھی وہ حضرت علی کے زمانہ میں ظاہر ہوئی گویا کہ حضرت علی کا زمانۂ خلافت دورۂ ولایت تھا۔ اسی وجہ سے اولیاء کرام کے اکثر سلسلے حضرت علی پر منتہی ہوتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت علی تمام خلفاء میں سب سے زیادہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ساتھ قرابت نسبی میں اقرب تھے۔ اسی لیے حضرت علی کی استعداد عنصری کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی استعداد عنصری اور قوت اعتدالیہ کے ساتھ خاص الخاص تشبہ حاصل تھا اور باطنی کمالات اور فیوض و برکات میں فطرت اور جبلت کو خاص دخل ہے مگر یہ فضیلت، فضیلت جزئیہ ہے کہ جس کا تعلق مقامات ولایت سے ہے لیکن تشبہ بالانبیاء من حیث النبوت کے باب سے نہیں جو فضل کلی مدار ہے۔ ہذا کلہ ملخص من التفہیمات الالٰہیہ۔ از ص ۲۴۴/۲ تا ص ۲۴۶ ثم راجع بعد ذلک قرۃ العینین ص ۲۹۹۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس مقام پر فقط خلافت شیخین اور خلافت علی مرتضٰے میں فرق بیان فرمایا۔ لیکن عثمان ذی النورین کے دورۂ خلافت

کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔

اس ناچیز کا گمان یہ ہے کہ عثمان ذوالنورین کا زمانۂ نبوفت، نور نبوت اور نور ولایت دونوں کا جامع تھا۔ نور نبوت کی نہایت تھی اور ولایت کی بدایت تھی۔ قرآن کریم کا لغت قریش پر جمع کرانا اور آفاق میں شائع کرانا اور دائرہ فتوحات کا اتنا وسیع ہو جانا کہ مشرق و مغرب کا خراج مدینہ منورہ کے بیت المال میں جمع ہو جانا یہ مقاصد نبوّت کی تکمیل و تتمیم تھا اور ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔ اور ان علینا جمعہ وقرآنہ کی پیشین گوئی کی تکمیل تھی اور اس کے بعد جو خلافت کا آخری دور گزرا وہ دورہُ ولایت تھا اور عجب نہیں کہ ذی النورین کے لقب میں انہی دو نوروں کی طرف اشارہ ہو۔

حق جل شانہ کے اس ارشاد ومن یرتدد منکم عن دینہ الایۃ میں جس فتنۂ ارتداد کے استیصال کی خبر دی گئی تھی اس کا ظہور صدیق اکبر کے زمانے میں ہوا اور روم اور فارس کی فتح جس کی طرف ستدعون الی قوم اولی باس شدید میں اشارہ تھا۔ اس کا ظہور فاروق اعظم کے زمانے میں ہوا اور خوارج اور روافض کے ظہور اور خروج کے متعلق جو پیشین گوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اس کا ظہور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں ہوا تاکہ فقہاء اُمت کو باغیوں کے احکام

اور مسائل معلوم ہو سکیں۔ جس طرح نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نماز میں بھول جانے سے سجدہ سہو کا حکم معلوم ہوا اور سہواً آپ کی نماز قضاء ہو جانے سے قضاء فوائت کا حکم معلوم ہوا اسی طرح سمجھو کہ حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانہ میں جو فتنے ظہور پذیر ہوئے اُن سے باغیوں کے احکام معلوم ہوئے۔ ؎ شیخین یعنی ابو بکر و عمر کے زمانے میں جہاد و قتال تنزیل پر تھا یعنی ان لوگوں سے تھا جو سرے سے قرآن کو ہی نہیں مانتے تھے اور کافر تھے اور ختنین یعنی کہ عثمان و علی کے زمانے میں قتال تاویل پر تھا یعنی خوارج اور باغی لوگوں سے تھا کہ جو کلمہ گو تھے اور نصوص کی غلط تاویل کرتے تھے اور اسلام کے اندرونی طور پر دشمن تھے۔

حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے جہاد و قتال سے اہل حرب اور اہل ذمہ اور مال غنیمت اور مال فئی کے احکام معلوم ہوئے جو اسلام کے بیرونی دشمن تھے۔ اس طرح ابو بکرؓ و عمرؓ کے عہد خلافت میں شریعت کے ابواب جہاد مکمل ہوئے اور حضرت عثمانؓ و علیؓ کے دور خلافت میں بُغاۃ یعنی باغیوں کے احکام اور مسائل مکمل ہوئے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عثمانؓ اور علیؓ نہ ہوتے تو ہم کو باغیوں کے احکام معلوم نہ ہوتے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ فتاویٰ عزیزی ص ۲۲۹ جلد ۱ میں لکھتے ہیں:

در حدیث صحیح وارد است کہ　　حدیث صحیح میں آیا ہے کہ آنحضرت ؐ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت علی را فرمودند کہ یا علی انک تقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ۔	نے حضرت علی سے فرمایا کہ تم لوگوں سے قرآن کی تاویل پر قتال کرو گے جیسا کہ میں نے لوگوں سے قرآن کی تنزیل پر جہاد و قتال کیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں تنزیل قرآن پر جہاد فرمایا اور حضرت علی نے اپنے زمانہ میں ان لوگوں سے جہاد و قتال کیا کہ جو قرآن کی غلط تاویل اور تفسیر کرتے تھے جیسے خوارج اور روافض۔ خوارج نے چونکہ آیات قرآنیہ کی غلط تاویل کی اور سیف و سنان سے خلیفۂ برحق کا مقابلہ کیا۔ اس لیے حضرت علی نے سیف و سنان سے اُن کا جواب دیا اور اہل تشیع نے برنگ محبت آیات قرآنیہ کی غلط تاویل کی اس لیے حضرت علی نے اپنے زمانۂ خلافت میں برسر منبر بار بار اس کا اعلان فرمایا کہ ابوبکر و عمر تمام اُمت میں سب سے افضل ہیں اور جو شخص مجھ کو ابوبکر و عمر پر فضیلت دیگا وہ خوب سمجھ لے کہ وہ مفتری ہے اور میں اُس کو وہی سزا دونگا جو مفتری کو ہوتی ہے۔ یعنی اَسّی کوڑے۔ اسطرح حضرت علی نے شیعوں کی غلط فہمی کو دُور کیا۔ اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی افضلیت کے مسئلہ کو اس درجہ واضح فرمایا کہ اس میں کسی قسم کی تاویل اور ذرہ برابر شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔ تفصیل کے لیے امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہٗ کا مکتوب نمبر ۲۶۶ دربارۂ تحقیق عقائد اہل سنت کی مراجعت فرمائیں۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ حضرات شیخین کی شان میں گستاخی کرتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور اس قدر روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی اور یہ فرمایا کہ میں نے ایسا سنا ہے کہ بعض لوگ میرے دوستوں کو برا کہتے ہیں ۔ پس سن لو کہ جو شخص ایسا کرے اس کو قتل کر ڈالو ۔

بعض ازاں آپ کو یہ علم ہوا کہ بعض لوگ آپ کے بارے میں غلو کرتے ہیں اور خدائی اور پیغمبری صفات آپ کے لیے ثابت کرتے ہیں تو حضرت علی نے اُن کے آگ میں جلانے کا حکم دیا ۔ اور عبداللہ بن سبا کی گرفتاری کا حکم صادر کیا ۔ ابن سبا روپوش ہو گیا ۔ دیکھو ابطال اصول الشیعہ صـ۱۰ ۔

نظم

در مدح خلفائے راشدین و صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

از عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز

شہسوارانِ جہاں مردانِ دین
چار یارِ مصطفےٰ اہلِ یقین

اولاً بوبکر صدیقؓ اہلِ دین
دوسرے عادل عمر والایقین

تیسرے عثمان باحلم و حیاء
چوتھے ہیں حضرت علی شیرِ خدا

اور سب اصحاب اسکے ذی علوم
ہیں ہدایت کے فلک پر رہے نجوم

صدق اور عدل اور شجاعت لوحیا
ہے انہی چاروں سے دین کو ارتقاء

ان سے راضی ہے خدائے دوسرا
اور خوش ہیں ان سے حضرتِ مصطفےٰ

تو بھی جان و دل سے اے امدادِ اب
رہ فدا ان پر سدا ہر روز و شب

جو کوئی بد اعتقاد ان سے ہوا
ہے وہ مردودِ جناب کبریا

(منقول از غذائے روح)

نکتہ

بعض لوگوں نے حضرات خلفاء کی فضیلت اور ترتیب کے متعلق ایک نکتہ

بیان کیا ہے وہ یہ کہ حدیث شریف میں آیا ہے خیر القرون قرنی ۔ سو اس حدیث میں خلفاء اربعہ کے نام کے آخری حروف بہ ترتیب آتے ہیں یعنی ق صدیق کا اور ر، عمر کی اور ن عثمان کا اور ی علی کی۔ کسی نے اسکو یوں نظم کیا ہے :۔

ابوبکر یکسو علی ایک جانب	خلافت کو گھیرے ہیں باصد صفائی
الف اور یے کی طرح انکو جانو	کہ محصور ہے جن میں ساری خدائی
یہ تشبیہ ہے واقعی تو جگہ بھی!	الف اور یے نے یہ ترتیب پائی
وہ اوّل خلیفہ کے اول میں آیا	یہ آخر خلیفہ کے آخر میں آئی

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ اس شعر کو پڑھتے اور یہ فرماتے بھلا کوئی شعر کہے تو ایسے کہے ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اختلاف کی ابتداء[1] کیسے ہوئی؟

حضرت عثمانؓ جب بلوائیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے تو لوگ حضرت علی مرتضیٰ کے پاس آئے آپ اس وقت بازار میں تھے لوگوں نے کہا بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائیے تاکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ حضرت علی نے کہا ٹھہرو یہاں تک کہ لوگ صلاح اور مشورہ کرلیں۔ لوگوں نے اصرار کیا اور یہ کہا کہ عثمان تو شہید ہوگئے اب

---

[1] دیکھو فتح الباری از ص۵۲ ج ۱۳ تا ص۵۸ ج ۱۳۔

ان کے بعد کوئی خلیفہ نہ ہُوا تو اُمت میں اختلاف اور فتنہ وفساد پڑ جائیگا۔ شدید اصرار کے بعد حضرت علی نے خلافت کو قبول کیا اور مہاجرین اور انصار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر وغیرہ سب لوگوں نے بیعت کی۔ پھر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر وغیرہ نے حضرت علی سے بغرض عمرہ مکہ جانے کی اجازت چاہی اور مکہ پہنچے۔ وہاں جاکر حضرت عائشہ سے ملے چونکہ حضرت عثمان کی شہادت کا صدمہ عظیم تھا اس لیے مکہ میں سب لوگوں نے اس پر اتفاق کیا کہ قاتلین عثمان سے قصاص لیا جائے اور یعلی بن امیہ جو حضرت عثمان کی طرف سے صنعاء پر حاکم تھا وہ بھی حج کے لیے مکہ آیا ہُوا تھا اس نے بھی حضرت طلحہ وزبیر کو حضرت عثمانؓ کے قصاص کے مطالبہ کے لیے آمادہ کیا اور بہت سی مالی امداد دی اور حضرت عائشہ صدیقہ کی سواری کے لیے اسّی اشرفیوں میں ایک اونٹ خریدا اور سب جمع ہو کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اہلِ بصرہ نے اس آمد کی وجہ دریافت کی تو عائشہ صدیقہ نے کہا کہ ہم عثمان غنی کا قصاص لینے آئے ہیں۔ حضرت عثمان ناحق مارے گئے ہیں اگر ہم ناحق خون پر غصّہ نہ کریں تو ہم نے بے انصافی کی۔ ادھر حضرت علی کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ بھی لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب حضرت علی بصرہ پہنچے تو ایک شخص حضرت علی کے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ کس بنا پر ان لوگوں سے قتال کرنا چاہتے ہیں فرمایا حق پر۔ اس شخص نے کہا کہ وہ لوگ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت علی نے فرمایا:

اقاتلهم علی الخروج من الجماعة ونکث البیعة - میں ان لوگوں سے اس بات پر قتال کرتا ہوں کہ ان لوگوں نے جماعت سے خروج کیا اور مجھ سے بیعت کر کے اُسکو توڑا اور طویل کلام فرمایا۔

پھر طلحہ اور زبیر کا ذکر کیا اور یہ کہا کہ ان دونوں نے مجھ سے مدینہ میں بیعت کی اور بصرہ میں میری مخالفت کی اور اگر کوئی شخص ابوبکر وعمر کی بیعت توڑتا تو ہم اُس سے قتال کرتے۔ دیکھو فتح الباری از ص۴۹ ج ۱۳ تا ص۵۰ ج ۱۳ باب بلا ترجمہ اور باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر۔

حضرت علی چونکہ باجماع اہل حل وعقد خلیفہ مقرر ہوئے تھے اس لیے وہ بیعت نہ کرنیوالوں کو باغی سمجھتے تھے اور باغیوں سے بنص قرآن فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللّٰہ۔ قتال جائز ہے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے باہمی اختلاف کی نوعیت

فتنوں کی ابتداء تو حضرت عثمانؓ کے آخری دور سے ہو چکی تھی۔ ظالموں اور باغیوں نے ازراہ حسد وعناد اسلامی حکومت کو فتنوں کی آماجگاہ بنایا ہوا تھا۔ حضرت عثمان کے عمال اور حکام کی شکایتیں شروع کیں۔ کسی پر ظلم کا الزام لگایا کسی پر کچھ اور کسی پر کچھ حتیٰ کہ خود حضرت عثمانؓ کو ہدف ملامت بنایا کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو والی بنایا اور جن لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں سابقت کی تھی

اُن کو عہدے نہیں دیئے (جس کا مفصل جواب گزرچکا) کہ وہ شکایات بے سروپا تھیں یارائی کا پہاڑ بنایا ہوا تھا تا آنکہ حضرت عثمانؓ ظلماً شہید کر دیئے گئے اور فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علی باتفاق مہاجرین و انصار جو اہل حل وعقد تھے خلیفہ مقرر ہوئے اور سب نے ان کو افضل سمجھ کر اپنا خلیفہ بنایا اور باغیوں نے بھی اپنی جان کی امان کو حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے لشکریوں میں شامل ہوگئے۔ فتنوں کا دروازہ کھل ہی چکا تھا اب ایک دُوسرے فتنہ کا آغاز ہوا کہ اہلِ شام نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہا کہ جب تک قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہ لیا جائے گا اس وقت تک ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کریں گے۔ حضرت علی کا مؤقف یہ تھا کہ حضرت عثمان کے خون کا قصاص طلب کرنیوالے اول ان کے ہاتھ پر بیعت کریں اور اُنکی خلافت اور امامت کو تسلیم کریں اور بیعت کرنے کے بعد اپنی داد رسی کی مجھ سے درخواست کریں۔ انشاءاللہ ضرور بالضرور قاتلینِ عثمان سے قصاص لیا جائیگا۔ مگر اتنا انتظار ضرور کرنا پڑیگا کہ فتنۂ بغاوت کا زور ٹوٹ جائے اور اسلامی حکومت کے قدم جم جائیں۔ باغیوں نے اگرچہ حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی مگر ان کے عزائم ٹھیک نہ تھے۔ حضرت علی باغیوں کی کثرت وشوکت اور اندرونی تنظیم کی وجہ سے فی الحال قصاص کا مسئلہ چھیڑنا نہیں چاہتے تھے مبادا پھر کوئی شورش اور فتنہ برپا

ہو جائے لہٰذا مصلحت ملکی کا اقتضاء یہی ہے کہ قصاص کے مسئلہ میں تاخیر کی جائے۔
حضرت علی کو یہ فکر تھی کہ اسلام کی جو حکومت آنحضرت کے دس سالہ غزوات اور تیس سالہ
خلفاء راشدین کے معرکوں سے قائم ہوئی ہے وہ اس عجلت کی بناء پر چشم زدن میں
درہم برہم نہ ہو جائے۔ حضرت معاویہؓ کا حضرت علیؓ سے خلاف استحقاق خلافت
کی بناء پر نہ تھا۔ حضرت معاویہ کو حضرت علی کی افضلیت اور استحقاق خلافت سے
ہرگز ہرگز انکار نہ تھا وہ بیعت کے لیے بالکل تیار تھے۔ معاملہ صرف قاتلین عثمان
کے قصاص لینے کا تھا۔ حضرت معاویہ حضرت علی کی خلافت اور حکومت تسلیم کرنے
سے پہلے قصاص کا مطالبہ کرتے تھے اور حضرت علی بیعت اور تسلیم حکومت کو مقدم
سمجھتے تھے۔ ہر ایک مجتہد تھا اور اپنی اپنی جگہ ہر ایک نیک نیت تھا۔ باغیوں کی
سرکوبی کو ہر ایک ضروری سمجھتا تھا۔ معاذ اللہ حضرت علی باغیوں کے حامی نہ تھے
صرف وقت کے منتظر تھے نیز یقینی طور پر کوئی متعین شخص ایسا نہ تھا کہ جس کو پکڑ کر
قتل کر ڈالیں بلکہ ایک بلوائے عام کی شکل تھی۔ حضرت معاویہ کا اجتہاد یہ تھا کہ
جلد از جلد باغیوں کی سرکوبی کی جائے تاکہ اسلامی حکومت فتنۂ بغاوت سے محفوظ
ہو جائے اور ظالم اور خود غرض لوگ اسلامی حکومت کی وحدت کو پارہ پارہ نہ کر سکیں
چونکہ حضرت عثمانؓ کی اس مظلومانہ شہادت کا عام مسلمانوں کے دلوں پر غایت
درجہ صدمہ اور ملال تھا۔ اس لیے حضرت معاویہؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور
حضرت عائشہؓ پر حضرت علیؓ کا قصاص میں تاخیر کرنا گراں گزرا اور اس تاخیر کو تساہل پر

محمول کیا اور ظاہر ہے کہ اپنے دوستوں کا ذرا سا تساہل بھی پہاڑ بن جاتا ہے۔ حضرت معاویہ اور دیگر صحابہ کرام کا حضرت عثمانؓ کی جوشِ محبت میں پیمانۂ صبر لبریز تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہوش اُن کے جوش پر غالب تھا۔ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کا صدمہ حضرت معاویہؓ سے کسی طرح کم نہ تھا۔ صدمہ میں دونوں ہی فریق برابر کے شریک تھا۔ فرق اتنا تھا کہ کسی پر جوش غالب تھا اور کسی پر ہوش غالب تھا۔ دونوں ہی گروہ حضرت عثمانؓ کے عاشق اور شیدائی تھے۔ جوشِ عشق میں ایک فریق دُوسرے سے بدگمان ہوُا۔

ع عشق است و ہزار بدگمانی

اور جوش ہوش سے لڑ پڑا۔ بعد میں جب ہوش آیا تو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں بصد ندامت و شرمساری میدان قتال سے واپس ہوُئے۔

معاذ اللہ حضرت معاویہؓ کا مقصود یہ نہ تھا کہ خلیفۂ برحق کا مقابلہ کریں۔ اور اسلامی حکومت کے خلاف تلوار اُٹھائیں اور جو صحابہ کرام حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے معاذ اللہ ان میں سے بھی کسی کا یہ قصد نہ تھا کہ حضرت معاویہ اور اُن کے ساتھ جو صحابہ کرام کی جماعت تھی اُن کے حق میں بغاوت کا لفظ ہرگز ہرگز استعمال نہ کرنا چاہیئے۔ بغاوت کا لفظ اُس جگہ استعمال کیا جاتا ہے کہ جہاں دیدہ و دانستہ اسلامی حکومت کے خلاف تلوار اُٹھائی جائے اور اگر نیک نیتی سے مطالبہ قصاص کو تسلیم حکومت پر مقدم کر دیا جائے تو غایت مافی الباب اس صورت پر محض ظاہری اور صوری طور پر

بغاوت کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے مرتکب پر کسی حال میں باغی کا اطلاق درست نہیں۔

ایک حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر سے یہ فرمایا کہ اے عمار! ایک روز ایک گروہ باغی تم کو قتل کریگا۔ سو اس باغی گروہ سے معاذ اللہ صحابہ کرام کی جماعت کا کوئی فرد مراد نہیں بلکہ اس سے وہ مفسد اور فتنہ پرداز لوگ مراد ہیں جو حضرت معاویہؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ دیکھو تطہیر[1] الجنان واللسان عن الخطور والتفوہ بثلب سیدنا معاویہ بن ابی سفیان لابن حجر المکی ص۳۴ مطبوعہ بر حاشیہ صواعق محرقہ۔

جنگ جمل

حضرت عثمانؓ کی اس مظلومانہ شہادت کا صحابہ کرام کو غایت درجہ صدمہ تھا۔ اس لیے صحابہ کرام نے حضرت علی سے خلیفۂ شہید و مظلوم کے قصاص کا مطالبہ کیا۔ حضرت علیؓ نے باغیوں کی کثرت اور ظاہری شوکت اور قوت کو دیکھ کر یہ مناسب سمجھا کہ جب تک امور خلافت منظم نہ ہو جائیں اس وقت تک ان

---

[1] قال ابن حجر المکی یحمل راے حدیث عمار) علی اخلاط من مع معاویۃ ولیسوا مجتہدین۔ انظر ص۳۴۔

غداروں اور مفسدوں کی گرفتاری مناسب نہیں۔ اس لیے مصلحتاً فی الوقت اس کے اجراء سے انکار فرمایا۔ بہت سے حضرات تو اس مصلحت ملکی پر نظر کر کے خاموش ہو گئے۔ لیکن حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور اُن کے رفقاء پر قاتلین سے قصاص لینے میں تاخیر بہت ناگوار گزری۔ سب مل کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس مکہ معظمہ پہنچے (جو بغرض حج مکہ مکرمہ گئی ہوئی تھیں) جا کر سارا ماجرا بیان کیا اور عرض کیا کہ ام المؤمنین! اس خون ناحق کا بدلہ حق ہے جو اب تک نہیں لیا گیا۔ حضرت عائشہ نے ہر چند عذر کیا مگر مسموع نہ ہوا اور ایک انبوہ کثیر جمع ہو گیا اور کہا کہ اگر مظلوم شہید کا قصاص نہ لیا گیا تو ہم لڑیں گے۔ اس طرح حضرت عائشہ صدیقہ کو لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے اور یہ تمام اختلاف قاتلین عثمانؓ کے قصاص کے بارہ میں تھا۔ حضرت علی کی خلافت اور افضیلت میں کسی کو کلام نہ تھا۔ سب حضرت علی کو اپنا خلیفہ تسلیم کر چکے تھے۔

جب یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی تو لشکریوں نے (جن میں باغیان، غدار اور عبداللہ بن سبا کا گروہ مکار بھی تھا) حضرت علی کو خروج پر تیار کیا۔ اس طرح حضرت علیؓ عراق کی طرف روانہ ہوئے اور ادھر سے حضرت عائشہ نے محض اس لیے خروج کیا کہ شاید کوئی صورت اصلاح کی نکل آئے۔ وہاں پہنچ کر حضرت علیؓ نے ایک ایلچی بغرض دریافت منشاء حضرت عائشہ کے پاس بھیجا انہوں نے جواب یہ دیا کہ مجھے آپ سے لڑائی ہرگز ہرگز منظور نہیں۔ مقصود محض اصلاح ہے جو بظاہر خلیفہ

مظلوم کا قصاص لینے پر موقوف ہے۔ حضرت علی نے فرمایا میں بھی یہی چاہتا ہوں
لیکن فی الوقت فتنہ پردازوں کی کثرت اور قوت کو دیکھ کر مصلحت اس کی اجازت
نہیں دیتی کہ سوئے ہوئے یا دبے ہوئے فتنہ کو جگایا یا ابھارا جائے۔ حضرت
عائشہ اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اس جواب کو سن کر مطمئن ہو گئے اور یہ امر قرار
پایا کہ کل فریقین کا لشکر بلا جنگ و جدال اور بلا قتل و قتال اپنی اپنی جگہ واپس
لوٹ جائے لیکن یہ امر فتنۂ باغیہ اور گروہ سبائیہ کو نہایت شاق گزرا۔ یہ
لوگ فساد ہی کی غرض سے حضرت علی کی فوج میں گھسے ہوئے تھے اور مقصود
ہی دین محمدی کی تخریب تھی اس گروہ پر صحابہ کرام کی یہ باہمی مصالحت اس
لیے ناگوار ہوئی کہ تخریب اور فساد کا موقع ہاتھ سے نکل گیا تو پھر شاید ایسا موقعہ
نہ ملے۔ اس لیے ان مفسدین نے مشورہ کر کے رات کے اخیر حصّہ میں حضرت
عائشہؓ کے لشکر پر یکایک حملہ کر دیا اور تیر برسانے شروع کر دیئے اور حضرت
علی کو اس کی مطلق خبر نہ تھی۔ جب اس طرف سے یکایک حملہ ہوا تو عائشہ صدیقہؓ
کے لشکریوں نے اس حملہ کا جواب دیا اور ہنگامۂ کارزار اس قدر گرم ہوا کہ
طرفین کے ہزاروں آدمی اس میں مارے گئے۔ کافی کشت و خون ہو چکنے کے
بعد ادھر حضرت علی کو اور ادھر حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ
کو اصل حقیقت کا علم ہوا۔ انکشاف حقیقت کے بعد پھر صلح و صفائی ہو گئی اور
ایک دوسرے سے مل کر زار و قطار روئے اور حضرت علی نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کو

نہایت اکرام کے ساتھ مدینہ منورہ رخصت کیا اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اس جنگ میں شہید ہوئے اور طرفین سے تیرہ ہزار مسلمان مقتول ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حضرت عائشہؓ جب اس واقعہ کا ذکر کرتیں تو زار و قطار روتیں۔ مگر افسوس کہ پتہ اُس وقت چلا کہ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر تفصیل مذکور کے بعد لکھتے ہیں۔ ولا یشعر احد منہم رای من الصحابۃ) بما وقع الامر علیہ فی نفس الامر وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔ دیکھو البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۹ ج ۷ اور کتاب الفصل لابن حزم ص ۱۵۸ ج ۴ -

اس لڑائی کو جنگ جمل اس لیے کہتے ہیں کہ جمل کے معنی اونٹ کے ہیں اور اس لڑائی میں حضرت عائشہ اونٹ پر سوار ہو کر میدان میں آئی تھیں۔ یہ واقعہ بمقام شہر بصرہ جمادی الاخری ۳۶ھ کو پیش آیا۔ حضرت زبیرؓ جب واقعہ جمل میں حاضر ہوئے تو حضرت علیؓ نے اُن کو آواز دی اور قریب بُلا کر تنہائی میں اُن سے یہ کہا کہ اے زبیرؓ! کیا تم کو وہ وقت یاد نہیں کہ ایک دن میں اور تم دونوں آپس میں بیٹھ کر ہنس رہے تھے تو آنحضرت ﷺ کی نظر ہم پر پڑی اور اے زبیر حضور پُرنور نے تم سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ اے زبیر ایک وقت آئے گا کہ تو علی سے لڑیگا اور اس وقت تو ظالم ہو گا۔

حضرت زبیرؓ نے سُنتے ہی کہا ہاں مجھ کو یاد آگیا۔ اس وقت سے پہلے مجھ کو یاد نہیں آیا تھا۔ حضرت علی نے حضرت زبیرؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جب یہ

ارشاد یاد دلایا سُنتے ہی ندامت اور شرمساری کے ساتھ مدینہ منورہ واپس ہو گئے۔
فوراً میدان سے واپس ہو گئے۔ واپسی میں راستہ میں کسی مقام پر سو گئے۔ عمرو
بن جرموز نے اُن کا تعاقب کیا اور سوتے ہوئے ان کو قتل کیا اور ان کا سر اور
تلوار حضرت علی کے پاس لیکر آیا اور اطلاع کرائی کہ میں نے آپ کے دشمن زبیر کو قتل کیا
اور ان کا سر اور یہ اُنکی تلوار ہے اور اندر آنیکی اجازت چاہی۔ حضرت علی نے اس کو
اندر آنیکی اجازت نہیں دی اور دربان سے کہدیا کہ اس کو جہنم کی بشارت اور دوزخ کی
خوشخبری سنادو۔ میں نے آنحضرتؐ سے یہ سُنا ہے کہ زبیر کا قاتل جہنمی ہے اور یہ فرمایا
واللہ یہ وہی تلوار ہے جس نے بہت مواقع میں آنحضرتؐ کی حمایت اور حفاظت کی ہے
اصابہ ص۵۴۵ ج۱ ترجمہ زبیر بن العوامؓ و استیعاب لابن عبدالبر ص۵۸۶ ج۱ ترجمہ زبیرؓ بر حاشیہ اصابہ۔

حضرت طلحہؓ جب جنگ جمل میں آئے تو انکے ساتھ بھی وہی ماجرا پیش آیا جو
حضرت زبیرؓ کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت علی نے زبیر کی طرح طلحہؓ کو بھی بلایا اور
ان سے اپنے سوابق اسلامیہ اور فضائل کا ذکر کیا۔ سنتے ہی حضرت طلحہ میدان سے
واپس ہو کر کہیں علیحدہ جگہ جاکر بیٹھ گئے اچانک ایک تیر آکر ان کے گھٹنے میں
لگا جس سے خون جاری ہو گیا۔ یہاں تک کہ وفات پا گئے۔ استیعاب لابن
عبدالبر بر حاشیہ اصابہ ص۲۲۱ ج۲ ترجمہ طلحہؓ۔

حضرت علیؓ کا جب مقتولین کی لاشوں پر گزر ہوا تو حضرت طلحہ کو دیکھ روتے اور
اُنکے چہرہ سے مٹی کو پونچھا اور یہ کہا کہ کاش! میں بیس برس پہلے مرچکا ہوتا۔

جنگِ صفین[1] اور واقعہ تحکیم

حضرت علی جب جنگ جمل سے فارغ ہوئے تو حضرت علی نے اہل شام کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ میرے ہاتھ پہ بیعت کریں۔ حضرت معاویہ نے یہ عُذر کیا کہ جب تک عثمانؓ کا قصاص نہ لیا جائے گا میں اُس وقت تک بیعت نہیں کرونگا حضرت علی نے جواب دیا کہ اول میرے ہاتھ پر بیعت کرو پھر میرے آگے یہ مقدمہ پیش کرو۔ بیعت کے بعد میں تمہارے دعوے کی سماعت کروں گا اور حق کے مطابق فیصلہ کردوں گا معاملہ نے طول پکڑا اور نوبت لڑائی کی آئی۔ دیکھو فتح الباری باب قتال الخوارج والملحدین من کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین و قتالہم صہ ۲۵ ج ۱۲۔

یحیٰی بن سلیمان جو امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں وہ کتاب صفین میں سند جید کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ابو مسلم خولانی نے حضرت معاویہ سے کہا :-

انت تنازع علیا فی الخلافۃ	کیا آپکو حضرت علی کی خلافت سے اختلاف اور
اوانت مثلہ قال لاوانی لاعلم	نزاع ہے یا آپ کا گمان یہ ہے کہ آپ حضرت

---

[1] دیکھو منہاج السنۃ صہ ۲۱۹ ج ۲ و صہ ۲۲۲ ج ۲ - البدایۃ والنہایۃ صہ ج ۱۱ ، الفصل صہ ۸۰ ج ۴ -

انه افضل مني واحق بالامر و
لكن الستم تعلمون ان عثمان قتل
مظلوما وانا ابن عمه ووليه
اطلب بدمه فاتوا عليا فقولوا له
يدفع لنا قتلة عثمان فاتوه فكلموه
فقال يدخل في البيعة ويحاكمهم
الي فامتنع معاوية فسار
علي في الجيوش من العراق
حتى نزل بصفين وسار معاوية
حتى نزل هناك وذلك في ذي
الحجة سنة ست وثلاثين۔
فتح الباری ص ۷۲ ج ۱۳ -
باب بلا ترجمہ بعد باب خروج
النار من كتاب الفتن -

علی کے برابر اور ہم پلہ ہیں۔ حضرت معاویہ نے
کہا کہ میں اُنکے برابر نہیں۔ واللہ مجھے خوب
یقین ہے کہ علی مجھ سے کہیں افضل اور بہتر ہیں
اور سب سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں لیکن کیا
تمہیں معلوم نہیں کہ عثمان مظلوم مارے گئے
اور میں اُنکا چچیرا بھائی اور اُن کا ولی ہوں
میں فقط اُنکا قصاص چاہتا ہوں۔ سو تم
علی کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ عثمان
کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیں۔
ابو مسلم یہ سُنکر حضرت علی کے پاس آئے اور
اُن سے گفتگو کی تو علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ
معاویہ اوّل میری بیعت میں داخل ہوں
پھر میرے پاس اپنا دعویٰ پیش کرے۔
اور مجھ سے فیصلہ کی درخواست کرے

معاویہ نے اسکو منظور نہ کیا۔ نوبت لڑائی پر پہنچی۔ حضرت علی عراق سے لشکر لیکر
چلے اور مقام صفین پر جا کر اُترے اور ادھر شام سے معاویہ اپنا لشکر لیکر چلے اور
صفین میں آکر اترے اور یہ ماجرا ۳۶ھ [1] میں پیش آیا۔

---

[1] اور بعض کہتے ہیں کہ ۳۷ھ میں پیش آیا۔

مقام صفین میں دونوں کا مقابلہ ہُوا۔ ایک ماہ تک دونوں کے درمیان لڑائی ہوتی رہی۔ طرفین کے تقریباً ستر ہزار آدمی اس لڑائی میں مارے گئے۔ قریب تھا کہ اہلِ شام کا لشکر مغلوب ہو جاتے۔ شام والوں نے جب یہ دیکھا کہ ہم مغلوب ہُوا چاہتے ہیں تو عمرو بن العاص کے مشورہ سے قرآن کریم کو نیزوں پر اُٹھا کر یہ پکارا کہ ہم تم کو قرآن کی طرف بلاتے ہیں۔ یعنی یہ قرآن ہمارے تمہارے درمیان جو فیصلہ کر دے وہ ہمیں منظور ہے۔ حضرت علی کے بہت سے لشکریوں نے یہ سُن کر لڑائی سے ہاتھ روک لیا خاصکر قُرّاء نے اس آیت سے استدلال کیا: الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب یدعون الی کتاب اللہ لیحکم بینہم۔ اور اُن کے رفقاء نے یہ سُن کر اہل شام کو کہلا بھیجا کہ ایک حَکم (منصف) تم بھیجو اور ایک ہم بھیجتے ہیں اور ان دونوں کے ساتھ وہ لوگ حاضر ہوں جو لڑائی میں شریک نہیں ہُوئے۔ ان لوگوں کی رائے میں جو حق ہو سب لوگ ان کے فیصلہ کی پیروی کریں۔ حضرت علی کے رفقاء نے اس فیصلہ کو منظور کیا مگر جو لوگ خارجی ہو گئے تھے انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان اس بارہ میں ایک تحریر لکھی گئی جس کا مضمون یہ تھا کہ امیر المؤمنین علی نے معاویہ سے یہ فیصلہ کیا ہے۔ الخ

اس عبارت پر اہلِ شام نے یہ اعتراض کیا کہ ہم آپ کو امیر المؤمنین نہیں مانتے۔ لہٰذا اس تحریر میں لفظ امیر المؤمنین نہ لکھا جائے۔ حضرت علی نے اس کو بھی منظور کر لیا۔ مگر خارجیوں نے اس کو بھی نہ مانا پھر فیصلہ یہ ہُوا کہ دونوں منصف اور اُن کے رفقاء ایک مدت معینہ کے بعد یعنی سال آئندہ کسی ایک مقام میں جمع ہوں جو شام اور عراق کے درمیان ہو اور فی الوقت دونوں لشکر اپنے اپنے شہروں کی طرف واپس ہو جائیں۔ اس طرح بدون کسی فیصلہ حضرت علی کوفہ کی طرف اور حضرت معاویہ شام کی طرف واپس ہو گئے اور آٹھ ہزار سے زیادہ خارجی لوگ اس وقت حضرت علی سے علیحدہ ہو گئے اور مقام مرورا میں جمع ہو گئے اور اُن کا سردار عبداللہ بن کوّا تھا اور حضرت علی پر یہ اعتراض کیا کہ تم نے منصف حکم کیوں مقرر کئے حالانکہ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں۔ حضرت علی نے اسی وقت قرآن منگوالیا کہ میرے اور لوگوں کے درمیان اللہ کی کتاب منصف ہے۔ خداتعالےٰ فرماتا ہے: فان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها۔ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی امت کا مرتبہ ایک مرد و عورت سے کہیں بڑھ کر ہے اس میں اگر تحکیم قبول کر لی جائے تو کیا مضائقہ ہے اور یہ فرمایا کہ لوگ مجھ پہ یہ عیب لگاتے ہیں کہ مَیں نے معاویۂ سے خط و کتابت کیوں کی۔ حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو سے خط و کتابت کی۔ تم کو چاہیئے کہ رسول اللہ صلعم کے

اسوۂ حسنہ کو اختیار کرو۔ بعد ازاں حضرت علی نے ان کی تفہیم اور اصلاح کے لیے عبداللہ بن عباسؓ کو اُن کی طرف بھیجا کچھ لوگ ان میں سے تائب ہو گئے اور کچھ لوگ اپنے خیال پر قائم رہے۔ ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ حضرت علی منصفی قبول کرنے کی وجہ سے کافر ہو گئے ہیں۔ حضرت علی کو جب ان کی خبر پہنچی تو لشکر لے کر اُن کی طرف خروج کیا اور مقام نہروان[1] پہنچ کر ان پر حملہ کیا اور سب کو تہ تیغ کیا جن میں سے صرف دس آدمی بچے اور حضرت علی کے لشکر میں سے صرف دس آدمی قتل ہوئے پھر یہ لوگ روپوش ہو گئے اور پوشیدہ طور پر سازشیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اُن میں سے عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علی کو صبح کی نماز کو جاتے ہوئے شہید کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ۔

یہ تمام تفصیل فتح الباری بات قتال الخوارج والملحدین میں کتاب استتابۃ المرتد والمعاندین وقتالھم میں صفحہ ۲۵۰ ج ۱۲۔ پر مذکور ہے۔ نیز یہ واقعہ

---

[1] نہروان ایک مقام کا نام ہے جہاں یہ لڑائی ہوئی تھی۔ یہ لڑائی ۳۸ھ میں ہوئی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب علی مرتضےٰ نے ابو موسیٰ اشعری کو اپنا حکم بنایا اور فیصلہ ناموافق ہونیکی وجہ سے اُسکو رد فرمادیا تو اُنکے ساتھ والوں کی ایک جماعت جو اپنے کو شیعہ کہتے تھے اُن سے برگشتہ ہو گئے انہی لوگوں کو خوارج کہتے ہیں۔ یہ خوارج مقام نہروان میں چلے گئے اور وہاں رہزنی شروع کی۔ بالآخر حضرت علی نے اُن پر لشکر کشی کی اور ان کو تہ تیغ کیا۔

مختصر از فتح الباری کی کتاب الفتن میں باب خروج النار کے ایک باب بعد ص ۶۵
ج ۱۳ میں بھی مذکور ہے ۔

مشاجراتِ صحابہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت
سے اس درجہ مُزکیٰ اور مجلّٰی ہو چکے تھے کہ ہزاروں ہزار جنید و شبلی ایک ادنےٰ
صحابی کے نقش پا کو نہیں پہنچ سکے ۔ بڑے سے بڑے ولی اور صدیق کے متعلق
حتمی اور قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بارگاہِ خداوندی میں اس کا کیا مقام ہے
مگر صحابۂ کرام کے متعلق بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ امر
قطعی طور پر ثابت ہے کہ صحابہ کرام کو دُنیا ہی میں اللہ تعالےٰ کی رضا اور
خوشنودی کا پروانہ مل چکا تھا اور دُنیا ہی میں اُن کو جنت کی بشارت سُنا
دی گئی اور ساری دنیا میں اس کی منادی کرا دی گئی ۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ۔
معاذ اللہ بفرض محال اگر صحابہ کرام بُرے بھی تھے تب بھی اچھے ہی تھے اس لیے کہ
خداوند علام الغیوب نے باوجود اس علم ازلی کے صحابہ سے کیا کیا ظہور میں آئیگا ۔
یہ اعلان فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اُن سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور وہ
اللہ کے محب بھی ہیں اور محبوب بھی یحبہم و یحبونہ پس بہ قاعدہ :

ع ہر عیب کہ سلطان بہ پسندد ہنر است

صحابہ کرام میں بالفرض اگر کوئی عیب بھی تھا تو وہ بہتر ہی تھا۔

سارا قرآن صحابہ کی مدح سے بھرا پڑا ہے۔ پس اگر جو شخص صحابہ میں کوئی قدح نکالتا ہے تو اُس کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ حق تعالےٰ کی توصیف اور مدح میں جرح وقدح کرنا درحقیقت اپنے ہی ایمان میں جرح اور قدح کرنا ہے۔ جرح کرنے والا اس بات کو سمجھے یا نہ سمجھے صحابہ کرام کے نفوس اگرچہ حضور صلعم کی صحبت کی برکت سے ہوا اور ہوس سے مزکی اور مجلّی اور حرص وطمع سے پاک وصاف ہو چکے تھے۔ لیکن بہرحال صحابہ کرام انسان اور بشر تھے۔ ملائکہ اور انبیاء کی طرح معصوم نہ تھے اور بمقتضائے بشریت اجتہادی خطاء کا واقع ہو جانا شانِ تقویٰ وورع کے منافی نہیں۔ قال تعالےٰ:

ان المتقین فی جنات و	تحقیق متقی اور پرہیزگار لوگ جنت کے
عیون ادخلوھا بسلام	باغوں اور چشموں میں ہوں گے اور فرشتے
امنین ونزعنا ما فی صدود	اُن سے یہ کہیں گے کہ جنت میں سلامتی اور
ھم من غل اخوانا علی	امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ اور اسوقت
سرر متقابلین۔	ہم اُن کے سینوں میں جو باہمی ناخوشی اور

ناگواری ہوگی وہ سب نکال دیں گے۔ سب بھائی بھائی ہو جائیں گے اور محبت واُلفت سے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھا کریں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی متقی اور پرہیزگاروں کے دلوں میں

بھی باہمی رنجش اور کدورت پیش آجاتی ہے اور باوجود اس رنجش اور کدورت کے دونوں گروہ خداتعالےٰ کے نزدیک متقی اور پرہیزگار ہیں اور دونوں گروہ جنت میں جائیں گے۔ اسی طرح صحابہ کرام کے مشاجرات اور باہمی اختلافات کو سمجھو کہ وہ سب حق کے لیے تھے۔ ہر ایک نے اپنے مقتضائے اجتہاد پر عمل کیا اور ہر مجتہد پر اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا واجب ہے جس نے جس شئے کو حق اور صواب سمجھا اس کے مطابق عمل کیا اور بلا شائبۂ تعصب اور بلا کسی خودغرضی کے دوسرے کی مخالفت کی اور یہ جو اپنے اجتہاد میں مصیب تھا اس کو دو درجہ ثواب ملے گا اور جو خاطی تھا جس نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی اُس کو ایک درجہ ثواب ملے گا۔ بہرحال ثواب سے کوئی خالی نہیں جس شخص سے اجتہاد میں غلطی ہوجائے بالفرض اگر وہ ماجور بھی نہ ہو تو معذور تو بلاشبہ ہے۔ عقلاً و نقلاً اس پر طعن و تشنیع اور ملامت تو کسی طرح سے بھی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ کفر اور فسق کی نسبت ان کی طرف کی جائے۔

حق تعالےٰ کا ارشاد وماکان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الاخطاء اس امر کی روشن دلیل ہے کہ قتل خطاء میں کچھ گناہ نہیں اور حق جل شانہٗ کا مقام عتاب میں بعد ما تبین اور من بعد ما جاءتھم البینات اور لفظ ھم یعلمون بھی اس کی دلیل ہے۔ کہ وجہ عتاب کی یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کیں بلکہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ولئن اتبعت اھواءھم بعد الذی جاءک من العلم من اللہ من ولی ولا نصیر

امر پر دلالت کرتا ہے کہ اگر بے خبری اور لاعلمی میں خلافِ مرضی خدا کوئی کام ہو جائے تو مضر نہیں پس جب خدا تعالےٰ ہی کی مخالفت لاعلمی میں مضر نہیں تو حضرت علی کی مخالفت اگر بوجہ لاعلمی ہو جائے تو اس کا ذکر ہی کیا۔ وقال تعالےٰ لیس علیکم جناح فیما اخطاتم بہ ولکن ما تعمدت قلوبکم وکان اللہ غفورا رحیما۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں اللہ کے نبی اور رسول تھے اور معصوم تھے۔ حضرت موسےٰ جب کوہ طور سے واپس تشریف لائے تو گوسالہ پرستی کو دیکھ کر غصہ آیا اور خیال کیا کہ ہارون علیہ السلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوتاہی کی۔ نوبت یہاں تک آئی کہ ہارون کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچے جیسا کہ کلام اللہ میں موجود ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت ہارونؑ بالکل بے قصور تھے مگر یہ وہ مقام ہے کہ جہاں نہ مجال دم زدنی ہے اور نہ گنجائشِ لب کشائی ہے۔ دونوں نبی و رسول اور معصوم ہیں اور دونوں بھائی بھائی ہیں۔ ایک بھائی نے دوسرے بھائی پر غصہ کیا یا اس کے سر کے بال کھینچے تو کسی تیسرے شخص کو اس میں کلام کرنا بھی جائز نہیں کہ موسےٰ اور ہارونؑ میں سے کون حق پر تھا بلکہ سکوت فرض لازم ہے۔ ایک بھائی نے ایک بھائی پر غصہ کیا اور دونوں ہمارے آقا اور سردار ہیں اور ہم ان دونوں کے غلام نابکار ہیں اور زر خرید غلام سے بڑھ کر اُن کے غلام ہیں ۔ اُن کی باہمی رضا اور غصہ میں ہم

کو سوائے سکوت کے کوئی چارہ نہیں۔ پس جو نسبت حضرت موسٰے اور حضرت ہارون
تھی کہ ایک دوسرے کے بھائی تھے وہی نسبت حضرت علیؓ اور حضرت طلحہ اور
حضرت زبیر اور حضرت معاویہ میں تھی کہ سب بھائی بھائی تھے اور حضرت علیؓ اگر
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے ابن عم اور داماد تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی محبوب ترین زوجۂ مطہرہ اور رفیقۂ حیات تھیں اور طہارت
اور نزاہت میں مریم صدیقہ کا نمونہ تھیں۔ جس طرح مریم صدیقہ کی برأت و نزاہت
کے بیان میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوئیں اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ کی برأت
میں سورۂ نور کی دس آیتیں نازل ہوئیں اور ان فضائل و مناقب کے علاوہ عائشہ صدیقہ
ام المؤمنین تھیں جیسا کہ قرآن کریم کی نص ہے وازواجہ امہاتہم اور اس لحاظ سے کہ
حضرت عائشہ ام المؤمنین تھیں حضرت علی اُن کے فرزندوں میں سے تھے اور ماں اور
بیٹے میں اگر کوئی رنج و کدورت اور شکوہ و شکایت کی نوبت آئے تو غلاموں اور
نوکروں چاکروں کا کیا منہ ہے کہ وہ اس میں کچھ بولیں، خاصکر حضرت عائشہ صدیقہ
کی شان میں کسی قسم کی گستاخی اور بیہودہ گوئی بلاشبہ آنحضرتؐ کی ایذا رسانی
کے مترادف ہے اور حضرت معاویہؓ کی ہمشیرۂ محترمہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان بھی
آنحضرتؐ کی زوجۂ مطہرہ تھیں اور ام المؤمنین تھیں اور ماں کا بھائی رشتہ میں ماموں
ہوتا ہے لہذا حضرت معاویہ تمام مسلمانوں کے ماموں ہوئے کیونکہ وہ ام المؤمنین
ام حبیبہ کے بھائی تھے لہٰذا اس نسبت سے حضرت علی، حضرت معاویہ کے بھانجے

ہوئے اور ماموں اور بھانجے کی لڑائی میں غلاموں کو بولنے کی اجازت نہیں اور صدیق اکبر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خسر تھے اور حضرت سیدہ صدیق اکبر کے سامنے بمنزلہ اولاد کے تھیں۔ فدک کے بارہ میں جو برائے نام کچھ رنجش پیش آئی اس میں بھی کسی کو مجال دم زدنی اور لب کشائی نہیں اس لیے اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی نزاعات اور اختلافات کے متعلق سکوت اور خاموشی اختیار کریں۔ جہاں تک ممکن ہو زبان سے بھی اس کا تذکرہ نہ کریں اور اس آیت پر عمل کریں۔

تلک امۃ قد خلت لھا	یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی اس کے لیے
ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون	اسکا عمل اور تمہارے لیے تمہارا عمل اور تم سے ان
عما کانو یعملون ۔	کے اعمال کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا ۔

اور اگر بقول مخالف یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ان محاربات میں صحابہ کرام کی شرکت خطائے اجتہادی نہ تھی بلکہ از قبیل ذنوب اور سیئات تھی تو ہم جواب میں یہ کہیں گے کہ صحابہ کرام کی ہجرت اور خدا کی راہ میں جہاد و قتال کی حسنات نے ان کے تمام گناہوں کا کفارہ کر دیا۔ کما قال تعالےٰ :۔

فالذین ھاجروا واخرجوا من	پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں
دیارھم واوذوا فی سبیلی	سے نکالے گئے اور خدا کی راہ میں اُن کو
وقاتلوا وقتلوا لاکفرن عنھم	ایذائیں اور تکلیفیں دی گئیں اور انہوں نے

سیاتهم ولادخلنهم جنات	جہاد و قتال کیا اور مارے گئے تو میں ضرور
تجری من تحتہا الانہار	اُن کی برائیوں کو معاف کر دوں گا اور ضرور
ثوابا من عند اللہ	ان کو جنت میں داخل کردوں گا جس کے

نیچے سے نہریں جاری ہونگی یہ خدا کیطرف سے بطور جزاء اور انعام ہوگا۔

وقال تعالٰی والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون لھم مایشاؤن عند ربھم ذٰلک جزاء المحسنین لیکفر اللہ عنھم اسوء الذی عملوا ویجزیھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون۔ وقال تعالٰی اولٰئک الذین نتقبل عنھم احسن ما عملوا ونتجاوز عن سیاتھم فی اصحاب الجنۃ وعد الصدق الذی کانوا یوعدون۔

ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ کبھی متقین سے بھی خطاء اور گناہ سرزد ہوجاتا ہے اور اللہ تعالٰے ان کے گناہوں کا کفارہ فرمادیں گے اور اُن کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ صحابہ کرام اعلٰی درجہ کے متقی اور پرہیزگار تھے مگر معصوم نہ تھے بمقتضائے بشریت اُن سے جو گناہ سرزد ہوا اللہ تعالٰے اس کو معاف کرے گا اور سب کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور حدیث میں ہے۔

لعل اللہ اطلع علٰی اھل بدر فقال	شاید اللہ تعالٰے نے اہلِ بدر کے دلوں پر
اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم۔	مطلع ہوکر یہ فرمادیا ہے کہ اے اہلِ بدر!

تم جو چاہے عمل کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے یعنی بمقتضائے بشریت تم سے گناہ تو سرزد ہوگا مگر اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔"

خلاصۂ کلام

یہ کہ صحابۂ کرام کے اُن اختلافات کو اچھے[1] محامل پر محمول کرنا چاہیئے۔ اور خودغرضیوں اور تعصبات سے دور رکھنا چاہیئے۔ صحابہ کرام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تاثیر محبت کی برکت سے ہَوا و ہوس اور کینہ و حرص سے پاک ہو گئے تھے۔ ان کے اختلافات صرف اللہ کے لیے تھے۔ ہر گروہ نے اپنے اجتہاد سے جس چیز کو حق سمجھا اس کے مطابق عمل کیا پس جس کا اجتہاد اُن میں سے ٹھیک تھا اُس کو دو درجے ثواب ہوگا اور جس سے اجتہاد میں غلطی ہوئی اُن کو ایک درجہ ثواب ملے گا۔ طعن اور ملامت ان پر کسی حال میں جائز نہیں۔ ہاں علمائے کرام نے یہ فرمایا ہے کہ ان اختلاف میں حق حضرت علی کی طرف تھا اور آپ کے مخالفین سے اجتہاد میں غلطی بااین ہمہ ان پر طعن نہیں کیا جاسکتا اور نہ کسی ملامت ہی کی گنجائش ہے اور ہم نابکاروں کو اکابر کے اختلافات میں دخل دینے کی گنجائش نہیں۔ ہم کو

---

[1] دیکھو مکتوب ۳۶ از مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی دفتر دوم ص۵۵ اور دیکھو مکتوب ۶۷ از دفتر دوم ص۱۳۱ ج ۲۔

چاہیئے کہ سب کو اچھے لفظوں سے یاد کریں اور کسی کے حق میں بدگوئی اور بدگمانی نہ کریں بلکہ اُن کے اختلافات کو دوسروں کی مصالحت سے بہتر سمجھنا چاہیئے۔ نجات اور کامیابی کی یہی راہ ہے کہ دل وجان سے تمام صحابہ کرام کی تکریم وتعظیم کریں اور اُن کی شان میں بدگمانی اور بدزبانی سے دل اور زبان کو محفوظ رکھیں جس نے صحابہ کرام کی توقیر وتعظیم نہیں کی وہ گویا حضور پُر نور پر ایمان ہی نہیں لایا۔ دیکھو مکتوب نمبر ۳۶ از دفتر دوم مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی صفحہ ۵۸ ج ۲۔

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما

جن صحابہ کرام کے ساتھ حضرت علی کو اختلاف پیش آیا اُن میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں سو جاننا چاہیئے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ اسلام کے سابقین اولین میں سے ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان چھ آدمیوں میں سے ہیں جن کو فاروق اعظم نے حضرت عثمان اور حضرت علی کے ساتھ شامل کرکے یہ فرمایا تھا کہ میرے بعد مسلمان ان چھ میں سے جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں۔ یعنی ان میں سے ہر ایک خلافت اور امارت کی صلاحیت رکھتا ہے اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اپنے اختیارات سے حق خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے اور ان دونوں نے اپنی تمام زندگی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی نصرت وحمایت میں خرچ کر دی اور اللہ اور اُس کے رسول کی محبت میں اپنے دل اور جگر کے ٹکڑوں یعنی

لڑکوں اور لڑکیوں اور بیویوں اور خویش واقارب کو اور دوست واحباب کو اور اپنے مال ومتاع کو اور اپنے گھروں کو چھوڑ دیا اور سب کو خیرباد کہہ کر رسول اللہ کے ساتھ ہوئے۔ پس اگر بعض معاملات میں باہم اجتہادی اختلافات ہو جائیں اور نوبت نزاع تک پہنچے اور ایک اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے تو اس میں کسی کو طعن اور اعتراض کی گنجائش نہیں اور جس طرح زبیر کے قاتل کو حضور صلعم نے فی النار والسقر فرمایا ہے اسی طرح حضرت طلحہ اور زبیر پر لعنت کرنے والا بھی بلاشبہ فی النار والسقر ہے اس لیے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے عاشقوں اور جاں نثاروں اور دین برحق کے جانبازوں اور سرفروشوں پر لعنت کرے اسکے ملعون اور مغضوب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

تمام صحابۂ کرام کی فضیلت اور بزرگی اور عالی مرتبی قرآن اور حدیث کی رو سے ایسی جانی بوجھی چیز ہے کہ گویا آنکھوں دیکھی ہوئی حقیقت ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ اس میں کسی قسم کا قدح اور طعن کیا جا سکے کہ حق اور صواب ایسے موقعہ میں یہی ہے کہ ہر مجتہد اپنی رائے اور اجتہاد پر عمل کرے اور اسی پر چلے جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک پر ہر ایک مجتہد ہے اور اپنی رائے اور اجتہاد پر عمل کرنے کا شرعاً مکلف اور مامور ہے۔ درجۂ اجتہاد پر پہنچ جانے کے بعد دوسرے مجتہد کی تقلید کرنا خطا ہے بلکہ صواب یہ ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد پر چلے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی بسا اوقات

مشورے ہوئے اور صحابہ کرام کی آراء اس میں مختلف ہوئیں جیسا کہ اسیران بدر کے فدیہ کے بارہ میں اور واقعہ قرطاس کے بارہ میں مگر بایں ہمہ کسی پر طعن اور ملامت کی گنجائش نہیں۔ دیکھو مکتوب ۳۶ بنام خواجہ محمد تقی از مکتوب امام ربانی دفتر دوم صہ ۹۰ ج ۲۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جن صحابہ سے اختلاف ہوا ان میں سب سے زیادہ اختلاف حضرت معاویہؓ سے ہوا اور نوبت جنگ وجدال اور قتل و قتال کی آئی۔ امام غزالی قدس سرہٗ نے اس کی تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہ کی جنگ خلافت کے بارہ میں نہ تھی بلکہ اس کا تعلق حضرت عثمانؓ کے قصاص سے تھا۔ اس بارہ میں سلامتی کی راہ اور نجات کا راستہ یہی ہے کہ اُن کے اور حضرت علی کے باہمی اختلافات اور محاربات کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے اور اس بارہ میں زبان سے گستاخی کا کوئی حرف نہ نکالا جائے۔ حضرت معاویہ اگرچہ سابقین اولین میں سے نہیں، متاخر الاسلام ہیں۔ صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے مگر اخلاص کے ساتھ ایمان لائے اور اس زمرہ میں داخل ہوئے جن سے اللہ تعالٰے نے وعدہ حسنیٰ کا فرمایا ہے۔ کما قال تعالٰے لا یستوی من انفق منکم من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ واللہ بما تعملون خبیر۔

اور غزوۂ حنین میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمراہ اور کچھ دنوں کتابت وحی
کی خدمت اُن کے سپرد رہی اور حضرت عمر کے زمانہ میں دمشق کے والی اور گورنر
مقرر ہوئے اور حضرت عثمانؓ کے اخیر عہد خلافت تک برابر ملک شام کے والی
اور گورنر رہے اور حضرت عثمان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ سے جنگ کی نوبت آئی
جس کا نام جنگ صفین ہے۔ پھر ۴۱ھ میں امام حسن بن علی نے خلافت ان کے
حوالے کر دی اور خود خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ سب مسلمانوں نے اُن
کے ہاتھ پر بیعت کی اور مسلمانوں کا باہمی تشتت اور افتراق اور خانہ جنگی
ختم ہوئی اور تمام مسلمان ایک امیر پر متفق ہو گئے۔ اس لیے اس سال کا
نام عام الجماعت ہُوا۔ اور امام حسنؓ کی مصالحت اور تفویض خلافت کے
بعد بیس ۲۰ سال تمام بلاد اسلامیہ کے بادشاہ عادل رہے۔ بیس سال شام
کے گورنر رہے اور بیس سال تمام بلاد اسلامیہ کے بادشاہ اور فرمانروا
رہے اور صحابہ و تابعین نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے پیچھے
نمازیں پڑھیں۔ شہر دمشق میں بعمر ۸۰ سال ۶۰ھ میں وفات پائی۔ اُن
کے پاس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا پیراہن مبارک اور کچھ موئے مبارک اور
کچھ ناخن مبارک تھے بوقت انتقال یہ وصیت کی کہ اسی قمیص میں مجھ کو کفن دینا اُن
موئے مبارک اور ناخن مبارک میری آنکھوں میں اور منہ میں رکھ دینا اور مجھے
ارحم الراحمین کے حوالے کر دینا۔ دیکھو استیعاب لابن عبدالبر ص ۳۹۹ ج ۳۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ جس طرح انبیاء کرام مراتب اور درجات میں متفاوت ہیں۔ کما قال تعالےٰ
تلک الرسل فضلنا بعضہم علےٰ بعض منہم من کلم اللہ و رفع بعضہم درجات
جن میں حضرت یونس علیہ السلام بھی ہیں جن کے متعلق ارشاد قرآنی یہ ہے ولا
تکن کصاحب الحوت مگر ان کی شان میں حرف تنقیص زبان سے نکالنا جرم
عظیم ہے سب پر بلا تفریق ایمان لانا فرض ہے کما قال تعالےٰ لا نفرق
بین احد من رسلہ اسی طرح حضرات صحابہ بھی مدارج اور مراتب میں متفاوت ہیں
مگر تعظیم و توقیر سب کی فرض ہے اور تنقیص کسی کی جائز نہیں۔ اسی طرح سمجھو کہ حضرت علی
اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے داماد اور چچازاد بھائی ہیں تو حضرت معاویہ ام المومنین
ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے بھائی ہیں اور تمام مسلمانوں کے ماموں اسلیئے کہ ماں
کا بھائی ماموں ہوتا ہے اور جسطرح چچا کی تعظیم و احترام باپ کی تعظیم و احترام کا تتمہ ہے
اسی طرح ماموں کی تعظیم ماں کی تعظیم اور احترام کا تتمہ ہے اسلیئے عقلاً و شرعاً حضرت معاویہ کی
محبت بھی لازم و ضروری ہو گی کیونکہ وہ بھی آنحضرت کے ذوی القربیٰ میں داخل ہیں۔

شرفِ صحبت

اہلسنت اور روافض کا اصولی اور بنیادی اختلاف یہ ہے کہ اہل تشیع کے

---

[1] دیکھو مکتوب ۹ از دفتر اول از مکتوبات امام ربانی ص ۵ ج ۱ اور دیکھو مکتوب ۱۲۰ از دفتر اول ص ۱۳۸ ج ۱۔

نزدیک صحبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کوئی اہمیت نہیں۔ روافض تو جمہور صحابہ کو معاذ اللہ مومن ہی نہیں سمجھتے۔ صرف تین چار حضرات حضرت مقداد اور سلمان فارسی ابوذر غفاری اور زید بن ارقم کو اس وجہ سے مومن سمجھتے ہیں کہ وہ اُنکے اعتقاد میں حضرت علی کے پارٹی کے ایک فرد تھے اور اہل سنت کے نزدیک صحبت نبوی کی فضیلت تمام دوسرے فضائل اور کمالات سے اعلیٰ اور بالا ہے اس لیے کہ اویس قرنی جو بلاشُبہ تابعین میں افضل ترین ہیں مگر کسی ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکے۔ صحبت نبوی کی برکت اور معائنہ نزول وحی اور مشاہدۂ معجزات کی وجہ سے صحابہ کا ایمان شہودی ہو گیا تھا اور یہ چیزیں جو تمام فضائل وکمالات اصل اور بنیاد ہیں وہ صحابہ کے سوا دوسروں کو بھلا کہاں نصیب ہوئیں۔ بعد والوں نے ان چیزوں کو دیکھا نہیں صرف سُنا ہے۔ اویس قرنی اور عمر بن عبدالعزیز گو کتنے ہی صاحب فضائل وکمالات ہوں مگر باوجود اس فضل وکمالات کے اویس قرنی اور عمر بن عبدالعزیز کا صواب حضرت معاویہ اور عمرو بن العاص کی خطا اور بھول و چوک کو نہیں پہنچ سکتا:۔

ع — ایں خطا از صد صواب اولیٰ ترست

اسلیئے کہ ان دونوں بزرگوں کو جو شرف صحبت اور دیدار حضرت رسالت اور مشاہدۂ معجزات نبوت حاصل ہوا وہ اویس قرنی اور عمر بن عبدالعزیز کو حاصل نہیں ہوا اور صحبت نبوی کی فضیلت وہ فضیلت ہے جس کے سامنے تمام فضائل وکمالات

گردہیں۔ کوئی فضیلت بارگاہِ نبوی کی حاضری و قدم بوسی کو نہیں پہنچ سکتی اور حق جل شانہٗ نے اسی فضیلت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ سے صحابہ کرام کو نوازا و اللہ یختص برحمتہٖ من یشاء اللہ ذو الفضل العظیم ۔

سکندر را نمی بخشند آبے　　　　بزور و زر میسر نیست ایں کار

قرآن اور حدیث صحابہ کرام کے مدح اور توصیف سے بھرا پڑا ہے جس کے نقل کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ صحابہ سے راضی ہے مگر روافض ان سے راضی نہیں اور صرف یہی نہیں کہ راضی نہ ہوں بلکہ صحابہ سے بغض اور عداوت اور اُن سے تبرا اور بیزاری اور اُن کی شان میں سب و شتم اور ان پر لعن طعن کو اعلیٰ ترین عبادت سمجھتے ہیں اور صحابہ پر لعن و طعن کو ذکر خداوندی سے افضل سمجھتے ہیں۔ یہود اصحاب موسیٰ کو افضل ترین خلائق سمجھتے ہیں اور نصاریٰ حواریین عیسیٰ کو بزرگ ترین امت سمجھتے ہیں مگر روافض اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بد ترین خلائق سمجھتے ہیں قاتلھم اللہ انی یؤفکون ۔ اب ہم اہل تشیع کے تفہیم کے لیے بغرض اصلاح چند سوالات اور محالات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ اہل تشیع پر اپنے بنیادی نقطۂ نظر کا بطلان واضح ہو جائے۔ فاقول وباللہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق ۔

سوالات[1] اور محالات

یہ امر تو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ابتداء میں اسلام کو جو عروج و ترقی

---

[1] دیکھو لحسن الکلام مصنفہ حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری ص۔۔ و اتحفا البطال اصول الشیعہ ۔

حاصل ہوئی وہ عالم اسباب میں صحابہ کرام اور خصوصاً خلفاء کرام کی کوششوں کا نتیجہ تھا
اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ تمام صحابہ در پردہ کافر اور منافق اور دشمن دین اور دشمنانِ
اہلبیت تھے اہلِ تشیع کی مثال ایسی ہے کہ کسی شہنشاہ نے ایک فوج مرتب کی اور اس کو
دشمنوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا اُس فوج ظفر موج اور افسران فوج نے دشمن کی
دارالسلطنت پر حملہ کیا اور بادشاہ کو گرفتار کیا اور اسکی فوج کو تہ تیغ کیا اور اس بادشاہ
کے خزانے کو لاکر اپنے بادشاہ کے سامنے رکھا اور ہر جگہ اپنے بادشاہ کا جھنڈا نصب
کر دیا اور ہر جگہ اسی کا قانون اور اسی کا سکہ جاری کر دیا۔

اب ایک شخص اُٹھتا ہے اور بادشاہ کے وزراء فوج اور افسران فوج کو گالیاں
دیتا ہے اور ان سے تبرا کو فرض، لازم اور افضل عبادت سمجھتا ہے اور اُن پر لعنت
بھیجنے کو ذریعۂ خوشنودی سلطان سمجھتا ہے اور دلیل یہ بیان کرتا ہے کہ یہ تمام فوج
میرے اعتقاد میں دلی طور پر بادشاہ کی دشمن اور خاندان شاہی کے خون کی پیاسی
ہے اور فوج اور افسران فوج جو کچھ بھی بادشاہ کی محبت اور اطاعت کا دم بھرتے
ہیں وہ سب دروغ بے فروغ ہے اور فوج کا یہ تمام کارنامہ نفاق اور تقیہ پر
مبنی ہے اور فوج کی تمام فتوحات خود غرضی پر مبنی ہیں تو کیا یہ شخص اس عذر بے جا کی
بنا پر عتاب شاہی سے بچ سکتا ہے۔ ہاں اگر بادشاہ کے نزدیک اس قول فضول و
فعل نامعقول کی وجہ سے یہ شخص مجنون اور فاترالعقل قرار پائے تو ممکن ہے کہ
عتاب سلطانی سے تو بچ جائے مگر پھر بھی اس سے چارہ نہیں کہ بجائے جیلخانہ کے

پاگل خانہ میں پہنچا دیا جائے۔ اسی طرح سمجھو کہ صحابۂ کرام نے کافروں سے جہاد کیا اور
بڑے بڑے سلاطین باتمکین کو نیچا دکھایا اور ہر جگہ اسلام کا جھنڈا بلند کیا اور کفر و شرک
کو ذلیل اور خوار کیا اور ہزارہا مسجدیں بنوا ڈالیں اور اپنی تمام قلمرو میں قرآن و
حدیث کی تعلیم کو پھیلا دیا اور احکام شرعیہ پر نہ عمل کرنیوالوں پر حدود شرعیہ اور تعزیرات
قائم کیں اور ایسا بے مثال عدل و انصاف جاری کیا کہ اپنے اور بیگانہ میں بال برابر
فرق نہ رکھا حتی کہ اگر اپنے بیٹے سے بھی کوئی کام خلاف شرع سرزد ہوا تو اسکو بھی
وہی سزا دی جو دینی چاہیئے تھی۔ پھر اس پر کمال یہ کہ جس حالت میں عرب و عجم پر
اُن کا سکہ بیٹھ چکا تھا اور دُنیا کی کوئی طاقت اور باوشاہت اُن کی ہمسری نہیں کر
سکتی تھی اس وقت اُن کی زندگی فقیرانہ اور درویشانہ تھی۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے
پہنتے تھے اور کچے مکانوں میں رہتے تھے اور ہر کس و ناکس کے لیے فریاد کا دروازہ
کھلا ہوا تھا۔ اس حالت کے بعد بھی صحابہ کرام کو معاذ اللہ کافر اور منافق اور دشمنِ
دین اور دشمن اہل بیت سمجھنا سراسر بداہت عقل کے خلاف ہے اور ادنیٰ عقل والا
بھی اسکے قبول کے لیے تیار نہیں ہو سکتا اس لیے کہ :۔

وجہِ اوّل

وجہ یہ ہے کہ جو شخص مدعی اسلام ہو اور تمام احکام اسلام کو بجالاتا ہو اور
جان و مال کو اسلام پر قربان کرنے سے دریغ نہ کرتا ہو اس کو منافق اور دلی
دشمن کہنا سراسر بے عقلی اور دیوانگی ہے۔ کفر اور اسلام کا دارومدار ظاہری

اقوال اور افعال پر ہے۔ دل کا حال تو سوائے حق تعالےٰ کے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا بندہ تو ظاہر کو دیکھتا ہے جب ظاہر میں سوائے جانثاری اور وفاداری کے کچھ نہ ہو تو پھر آخر کس دلیل سے نفاق کی تہمت لگائی جائے۔

صحابہ کرام کی جان نثاری دُنیا پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے اس پر بھی اگر کوئی صحابہ کرام کو منافق، بد باطن اور دلی دشمن بتاتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ قیس کو لیلیٰ کا سچا عاشق نہ سمجھے اور یہ دعوےٰ کرے کہ مجنوں کا دعوائے محبت سب نفاق اور تقیہ پر مبنی تھا۔ بالفرض اگر کوئی خبیث خارجی حضرات اہلبیت کے متعلق یہ کہے کہ حضرات اہل بیت اگرچہ ظاہر میں پابند شرع تھے مگر دل سے کافر اور منافق تھے تو حضرات شیعہ علی اور اہل بیت کا ایمان کسطرح ثابت کرینگے جسطرح رافضی صحابہ کرام کے کفر و نفاق کے مدعی ہیں اسی طرح خارجی حضرات اہلبیت اطہار کے کفر و نفاق کے مدعی ہیں۔

وجہ دوم

اگر بقول شیعہ جبراً و قہراً تھوڑی دیر کے لیے یہ بات مان لی جائے کہ صحابہ کے اقوال و افعال اگرچہ ظاہراً شریعت کے موافق اور مطابق تھے مگر باطن میں سوائے دو چار شخصوں کے معاذ اللہ سب کافر اور منافق تھے تو اب سوال یہ ہے کہ سارا قرآن صحابہ کرام کی تعریفوں سے بھرا پڑا ہے اور حق تعالےٰ نے جابجا اپنے کلام پاک میں اُن کے کمال ایمان اور اعمال صالح کا اظہار اور جنت میں داخل

کرنے کا وعدہ فرمایا ہے سو یہ امر دو حال سے خالی نہیں یا تو معاذ اللہ خداوند علام الغیوب کو صحابہ کے قلبی احوال اور کیفیات کا علم نہ تھا۔ یا معاذ اللہ خدا تعالےٰ نے صحابہ کے ڈر کے مارے ناحق ان کی تعریفیں کیں اور جنت میں داخل کرنے کا مصلحتاً جھوٹا وعدہ فرمایا اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں امر شان خداوندی کے بالکل منافی اور محال ہیں۔

وجہ سوم

یہ اگر صحابہ کرام معاذ اللہ دل سے کافر اور منافق تھے تو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ امر فرض تھا کہ آپ ان منافقین سے جہاد کرتے اور ان پر تشدد کرتے کما قال تعالےٰ یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم بلکہ اس کے برعکس آپ نے اتحاد اور اخلاص کا معاملہ فرمایا اور ان کو اپنا وزیر اور مشیر بنایا اور ان کی بیٹیوں سے نکاح فرمایا اور ساری عمر انہی کافروں اور منافقوں کی امامت کرتے رہے اور حسب ارشاد باری تعالےٰ انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام۔ ان کافروں اور منافقوں کو مسجد نبوی میں آنے سے منع نہ فرمایا اور یہی کافر اور منافق آپ کی مسجد میں اذان اور اقامت کہتے رہے اور حسب ارشاد باری تعالےٰ ولتعرفنھم فی لحن القول آپ منافقوں کو ان کے لب و لہجہ سے اور اُن کی صورت ہی سے پہچان لیتے تھے۔ پس کیا ساری عمر آنحضرتؐ کو ان کے نفاق کا علم نہ ہوا اور جب حضور پُر نور کو

اُنکے نفاق کا علم نہ ہُوا تو حضرات شیعہ کو کہاں سے اُنکے نفاق کا علم ہو گیا۔

وجہ چہارم

یہ کہ قرآن کریم نے جا بجا اس امر کی خبر دی ہے کہ آپ کی فیض صحبت نے صحابہ کرام کو مزکی اور مصفی بنا دیا۔ کما قال تعالےٰ ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم۔ پس اگر صحابہ کرام معاذاللہ کافر اور منافق ہوں تو لازم آئے گا کہ حق تعالےٰ نے جو تزکیہ نبوی کی خبر دی ہے وہ سب غلط ہے۔ آپ کی تعلیم و تربیت اور آپ کی فیض صحبت سے سوائے دُو چار آدمیوں کے کسی کی اصلاح نہیں ہوئی بلکہ جتنے افراد آپ پر ایمان و اسلام لائے وہ پہلے سے زیادہ خراب اور بد باطن ہو گئے۔

وجہ پنجم

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ کے متعلق جو بشارتیں دی ہیں وہ سب غلط ہیں ؟

اور اگر صحابہ کرام معاذاللہ کافر اور منافق تھے تو انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے عہد حکومت میں اسلام اور قرآن وحدیث کے مٹانے کی کوشش کیوں نہ کی بلکہ الٹا معاملہ یہ کیا کہ حتی الوسع اسلام کو بڑھایا اور کفر کو مٹایا۔ بادشاہ کو رعایا کا ڈر اس وقت ہوتا ہے کہ جب بادشاہ اور رعایا کا مذہب اور مسلک مختلف اور جُدا ہو۔ پس جب حکومت صحابہ ہی کی تھی اور

دل سے مسلمان نہ تھے تو انہیں اسلام کے مٹانے میں ڈر کس کا تھا ؟

وجہ ششم

یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام معاذاللہ منافق اور درحقیقت دشمن اہل بیت ہوتے تو صفحۂ ہستی پر اہل بیت اطہار کا نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑتے جو گروہ قیصرو کسریٰ کا تختہ اُلٹ سکتا ہے تو وہ دو چار اہل بیت کو بدرجۂ اولیٰ ختم کر سکتا ہے۔ دُور کیوں جاتے ہو یزید نے ایک معمولی بات پر کہ اسکے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے کے جُرم میں اہل بیت کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ صحابہ کرام یزید سے ہزارہا درجہ بڑھ کر قدرت رکھتے تھے۔

وجہ ہفتم

یہ ہے کہ جناب امیر شیعوں کے نزدیک امام معصوم اور صاحب عصاء ہیں اور جن کی سیف ذوالفقار اور تلوار آبدار نے ہزارہا جنات کو ایک آن میں قتل کر ڈالا تھا۔ انہوں نے ایسے منافقوں اور دشمنان اہل بیت کو موت کے گھاٹ کیوں نہ اتار دیا اور کم ازکم خلوت اور جلوت میں کبھی بھی موقعہ پاکر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا سر قلم کیوں نہ کر دیا بلکہ ساری عمر ان کے مطیع اور فرماں بردار اور وزیر و مشیر بنے رہے حتیٰ کہ اپنی بیٹی ام کلثوم بھی عمر فاروق کو دیدی اور پھر جب حضرت امیر کا اپنا دور خلافت آیا تو اس وقت بھی تمام زمانۂ خلافت ابوبکر و عمرؓ کی منقبت اور بر سر منبر اُن کے افضلیت کے اعلان میں گزرا۔

وجہ ہشتم

جس طرح رافضی صحابہ کرام کا کفر و نفاق ثابت کرتے ہیں اسی طرح خارجی اہل بیت اطہار کا کفر و نفاق ثابت کرتے ہیں۔ یہ سن کر ایک مخالف اسلام صاف طور پر یہ کہہ سکتا ہے کہ جب مسلمانوں کا ایک فرقہ اپنے پیغمبر کو اصحاب کو کافر و منافق بناتا ہے اور دوسرا فرقہ اہل بیت کرام کو ایسا سمجھتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُنکے پیغمبر پر کوئی شخص بھی دل سے ایمان نہیں لایا نہ اپنوں میں سے اور نہ بیگانوں میں سے۔

وجہ نہم

معاذ اللہ اگر صحابہ کرام کے متعلق روافض کا مذہب صحیح مان لیا جائے تو نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہو گی اور نہ کتاب و سنت اور آپ کی شریعت ثابت ہو گی اور نہ نماز، روزہ، حج اور زکواۃ کوئی عبادت ہی ثابت ہو گی اس لیے کہ ہم نے نہ تو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور نہ آپ کے کسی معجزہ کا مشاہدہ کیا۔ پس روافض بتلائیں کہ حضور پر نور کی نبوت و رسالت اور آپ کی شریعت اور آپ کے معجزات کا کون گواہ ہے ؛ سو اگر روافض صحابہ کرام کی شہادت کو قبول کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ نے گواہی دی ہے. کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نبی برحق تھے اور آپ پر قرآن نازل ہُوا اور ہم نے اپنی آنکھوں سے آپ کے معجزات کا مشاہدہ کیا تو سبحان اللہ چشم ما روشن دل ما شاد

کہ حضرات شیعہ نے صحابہ کرام کی شہادت قبول کی اور اگر حضرات شیعہ صحابہ کی شہادت کو بوجہ کفر و نفاق رد کریں تو چار و ناچار اہل بیت کی شہادت پیش کریں گے تو اگر یہ مقدمہ کسی عدالت میں پیش ہو تو فاضل جج کہہ سکتا ہے کہ اہل خانہ کی شہادت معتبر نہیں۔ پس حضرات شیعہ بتلائیں کہ آنحضرت کی نبوت کا چشم دید گواہ سوائے صحابہ کے کس کو لائیں گے۔ بلکہ اگر فاضل جج یہ پوچھ بیٹھے کہ اس امر کا کون گواہ ہے کہ حضرت علی اور امام حسن و حسین حضور پُر نور کے اہل بیت ہیں تو یہ امر بھی ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ ہی کی شہادت سے ثابت ہو سکتا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس اللہ سرہٗ السیف المسلول میں لکھتے ہیں :-

" بر تقدیر صحت مذہب روافض نہ نبوت ثابت می شود۔ نہ ما جاء به النبی صلے اللہ علیہ وسلم بلکہ از تمامی متواترات وثوق بر می خیزد و انکار متواترات و سفسطہ ہم میر سد چہ اکہ ما پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم را نہ دیدہ ایم و نہ ابوبکر و عمر و علی را و نہ معجزۂ پیغمبر را و نہ جبریل را و نہ قرآن بحضور ما نازل شدہ و بجز متواتر در یافتیم۔ پس اگر ایں خبر متواتر کہ از صحابہ بما رسیدہ معتبر نہ باشد۔ پس از کجا ثابت شود کہ محمد نامی در دُنیا موجود شدہ و معجزات ظاہر کردہ۔ الخ وامامت فرع نبوت است پس چوں نبوت بجز متواتر صحابہ ثابت نہ شدہ۔ پس امامت چگونہ ثابت شود۔ انتہٰی "

وجہ دہم

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت کی نبوت بغیر صحابہ کی شہادت کے ثابت نہیں ہو سکتی تو خوب سمجھ لو کہ بغیر صحابہ کے شہادت قبول کیے امامت بھی ثابت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ امامت نبوت کی فرع ہے جب نبوت ہی ثابت نہ ہوئی تو امامت اور خلافت کہاں سے ثابت ہو سکے گی۔

امامت

امامت کے معنی پیشوائی کے ہیں خواہ باعتبار دین کے ہو یا باعتبار دُنیا کے اس لیے امام کا اطلاق تین معنی پر آتا ہے :۔

۱۔ جو فقط دین میں پیشوا ہو۔ جیسے امام اعظم اور امام شافعی اور امام غزالی اور امام رازی اور آیت واجعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا اور آیت : واجعلنا للمتقین اماما میں دین کی پیشوائی مراد ہے۔

۲۔ جو فقط ظاہری اور دنیادی امور میں پیشوا ہو اس لحاظ سے امامت بمعنی بادشاہت اور ریاست اور امام بمعنی بادشاہ اور رئیس مستعمل ہوتا ہے۔

۳۔ اور کبھی دینی اور دنیوی، ظاہری اور باطنی امور میں پیشوائی پر امامت کا اطلاق آتا ہے اور یہی خلافت راشدہ ہے جو پانچ شخصوں میں منحصر ہے خلفاء اربعہ اور امام حسنؓ اور اسی وجہ سے خلافت میں ہر جگہ فی الارض کی قید لگائی گئی ہے :۔

یستخلفنھم فی الارض - نجعلکم خلفاء الارض - ھو الذی جعلکم خلائف فی الارض - انی جاعل فی الارض خلیفہ یاداود انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض -

خلافتِ راشدہ کی مُدّت

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الخلافۃ بعدی ثلاثون عاماً - خلافت نبوت میرے بعد تیس۳۰ سال رہے گی - چنانچہ آپ کے وصال کے بعد بلا فصل ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے اور دو سال اور چار ماہ خلافت کی - پھر حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے دس سال اور چھ ماہ خلافت کی - پھر حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے بارہ سال سے چند روز کم خلافت کی - پھر حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے چار سال اور نو ماہ خلافت کی اور پھر امام حسنؓ خلیفہ ہوئے پانچ ماہ خلافت کی - اس حساب سے خلفاء اربعہ کی مُدت خلافت انتیس سال اور سات مہینہ ہوئی - اور امام حسنؓ کی پانچ ماہ خلافت سے تیس سال پُورے ہو گئے - امام حسنؓ کی امیر معاویہؓ سے یہ صلح ۵ اجمادی الاولے ۴۱ھ میں وقوع پذیر ہوئی جس سے خلافت راشدہ کی مدت تیس سال پُوری ہو گئی اور اس کے بعد امارت اور حکومت یعنی سلطنت اور بادشاہت شروع ہوئی - اس لیے اہل سُنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس صلح کے بعد حضرت معاویہ اسلام کے پہلے بادشاہ ہیں، خلیفہ نہیں - اور اہل سُنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت معاویہ، حضرت امیر برحق یعنی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد امارت و خلافت سے لے کر حضرت امام حسن کے سپردگی اور صلح تک حق پر نہ تھے اس لیے کہ امام حق کی اطاعت نہیں کرتے تھے اور یہ اُن کی خطا اجتہادی تھی جو شرعاً معاف ہے۔ البتہ امام حسنؓ کے امامت سپرد کرنے کے بعد بادشاہ ہو گئے۔

امام حسنؓ نے کیوں صُلح فرمائی؟

۱۔ امام حسنؓ نے یہ صلح فوج کی قلت اور کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں کی۔ امام کے ساتھ بے شمار فوج تھی اور جانبازی کے لیے مستعد تھی اور یک دل و یکجان امام کی نصرت اور حمایت کے لیے کوشاں تھی۔ اور اس قدر کثیر تھی کہ حضرت معاویہؓ اس کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور صُلح کا پیغام بھیجا۔ پیغام صُلح کی ابتداء حضرت معاویہؓ کی جانب سے ہوئی اور صُلح کی درخواست کی۔ ابتداء کمزور کی طرف سے ہوتی ہے۔ امام حسنؓ نے یہ خیال فرمایا کہ اگرچہ میرے پاس قوت اور فوجی طاقت بے شمار ہے لیکن فیصلہ بدون جنگ کے نہ ہوگا اس لیے انہوں نے مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے لیے صُلح کے پیغام کو قبول کیا اور حق خلافت سے دستبردار ہوئے اور حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ دیکھو استعاب لابن عبدالبر ص ۲۹۸ ج ۳۔

جیسا کہ خود حضرت امام کے اس خطبہ سے ظاہر ہے :۔

لما برم الصلح بينه وبين معاوية . ان معاوية قد نازعني حقا لي دونه فنظرت الصلاح للامة وقطع الفتنة وقد كنتم بايعتموني على ان تسالموني من سالمني وتحاربوا من حاربني ورأيت ان حقن دماء المسلمين خير من سفكها ولم ارد بذلك الا صلاحكم ۔

یعنی جب امام حسن اور حضرت معاویہ میں صلح مکمل ہو گئی تو امام حسن نے یہ فرمایا کہ معاویہ نے مجھ سے میرا حق خلافت چھیننا چاہا جو میرا حق تھا نہ کہ ان کا لیکن امت کو فتنہ اور فساد سے بچانے کے لیے مصلحت اس میں دیکھی کہ صُلح کر لی جائے اور تم مجھ سے اس امر پر بیعت کئے ہوئے کہ جس سے میں صُلح کر دوں اس سے تمہاری بھی صُلح ہے ۔ اور جس سے میں جنگ کروں اس سے تم بھی جنگ کرو ۔ اس وقت میں نے یہی مناسب جانا کہ مسلمانوں کے خون کی حفاظت اس کے گرانے سے بہتر ہے اور اس صُلح سے سوائے تمہاری بھلائی کے میرا کوئی مقصد نہیں ۔

(دیکھو تحفۂ اثنا عشریہ)

اس خطبہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ حضرت امام حسن کا ملک اور ریاست کو حضرت معاویہ کے سپرد کرنا عاجزی اور درماندگی کی وجہ سے نہ تھا ۔

دوم یہ ہے کہ حضرت معاویہ امام حسن کی نظر میں بادشاہت اور ریاست کی اہلیت رکھتے تھے ۔ کافر اور مرتد نہ تھے ۔ اس لیے کہ کفار اور مرتدین سے فتنہ

کے خوف سے صلح کرنا جائز نہیں بلکہ اُن سے جہاد و قتال واجب ہے کما قال تعالےٰ وقاتلوھم حتی یقون فتنة ویکون الدین کلہ اللہ۔

نیز مسند بزار میں باسناد حسن مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: ان اول دینکم بدأ نبوۃ و رحمة ثم یکون خلافة و رحمة ثم یکون ملکا وجبریة۔ الحدیث۔

یعنی تمہارے دین کی ابتداء نبوّت اور رحمت سے ہوئی۔ پھر اس کے بعد خلافت اور رحمت ہوگی اور پھر اس کے بعد بادشاہت اور جبری حکومت ہوگی۔ لہٰذا عجب نہیں کہ امام حسن نے یہ خیال فرمایا ہو کہ نبوّت اور رحمت اور پھر خلافت اور رحمت کا زمانہ تو گزر چکا ہے اور بادشاہت اور جبری حکومت کا دَور آنے والا ہے جس میں طرح طرح کے فتنے نمودار ہوں گے اس لیے ریاست اور حکومت سے دست برداری اختیار فرمائی تاکہ خود بھی امارت اور بادشاہت کے فتنہ سے محفوظ رہیں اور مسلمان باہمی کشت و خون سے اور نیز یہ بھی ممکن ہے کہ امام حسن کی نظر اس پر ہو کہ جنگ سے کوئی معتدبہ فائدہ نہ ہوگا اس لیے صلح کو اختیار فرمایا خونریزی سے محفوظ رہیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ عین موقعہ میدان میں امام حسنؓ کو یہ ارشاد نبوی یاد آیا ہو۔ ان ابنی ھذا سید سیصلح اللہ بہ بین فئتین من المسلمین۔ انسان کو ایک چیز معلوم ہوتی ہے مگر اس کو بھول جاتا ہے اور عین موقعہ پر اس کو یاد آجاتی ہے۔

باغی پر لعنت جائز نہیں

حضرت معاویہ اس صلح سے پیشتر اگرچہ بظاہر باغی تھے مگر خطائے اجتہادی کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قصداً کسی گناہِ کبیرہ کے مرتکب تھے اور اہل سُنت کے نزدیک کسی گناہ کبیرہ کرنے والے پر بھی لعنت جائز نہیں۔ لقولہ تعالےٰ: واستغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات وقال تعالےٰ والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم۔

پس استغفار کا حکم لعنت کے منافی ہے اور باغی اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب باتفاق اہل سُنت و شیعہ، ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا۔ لقول تعالےٰ: وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما۔ باقی یہ آیت الا لعنۃ اللہ علی الظالمین لعنۃ اللہ علی الکاذبین اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر۔ اللہ کی لعنت ہو جھوٹوں پر سو اس آیت سے مقصود اس صفت پر لعنت کرنا ہے۔ موصوف اور صاحب صفت پر لعنت مقصود نہیں۔ نیز یہ لعنت اجمالی طور پر آئی ہے کسی ظالم اور کاذب کا نام لے کر لعنت نہیں آئی۔ زندگی میں نام لے کر کافر پر بھی لعنت کرنا جائز نہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ اسکو ہدایت دیدے اور مرنے

کے بعد نام لیکر لعنت جائز نہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب عکرمۃ بن ابی جہل مشرف باسلام ہوئے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا: لاتسبلو آ اباہ فان سب المیت یوذی الحی۔ عکرمہ کے باپ ابوجہل کو بُرا بھلا نہ کہنا مُردوں کو بُرا کہنے سے زندوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ اور اگر بالفرض صاحب صفت ہی پر لعنت مراد ہو تو اگر اس صفت سے لعنت کا جواز معلوم ہو گا تو صفت ایمان کی وجہ سے لعنت کی ممانعت معلوم ہو گی۔ کیونکہ اہل ایمان کے لیے دعائے مغفرت واجب ہے اور جب مباح اور حرام جمع ہو جائیں تو غلبہ حرام کو ہوتا ہے۔

اقوال اہل بیت

کتب امامیہ سے یہ بات بطریق تواتر ثابت ہے کہ حضرت امیر نے اہل شام کو لعنت سے منع فرمایا اور یہ فرمایا ھم اخوانا قد بغوا علینا۔ یہ ہمارے بھائی ہیں (یعنی کافر نہیں) ہم سے بغاوت کی ہے۔[۱]

امام حسینؓ کا یزید سے مقابلہ

امام حسینؓ کا خروج۔ خلافت راشدہ کے دعویٰ کی بنا پر نہ تھا اس لیے

---

[۱] دیکھو فتاوی عزیزی۔

کہ خلافت راشدہ کی مدت تیس سال گزر چکی تھی بلکہ مسلمانوں کو ظالموں کی حکومت سے چھڑانا تھا کہ مسلمانوں پر ظالم اور فاسق و فاجر کی حکومت قائم نہ ہو جائے اس لیے کہ یزید کی حکومت بھی پوری طرح قائم نہ ہوئی تھی۔ اہل مکہ اور اہل مدینہ اور اہل کوفہ نے ابھی یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر نے بھی بیعت نہ کی اور احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ بادشاہ وقت سے بغاوت اور اسکی اطاعت سے خروج جائز نہیں اگرچہ وہ بادشاہ ظالم ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس بادشاہ کا بلا نزاع اور بلا مزاحمت کامل تسلط ہو جائے تو وہ اگرچہ ظالم ہی ہو اُس کی اطاعت سے خروج اور بغاوت جائز نہیں ہے اور جس کا ابھی تک تسلط ہی نہ ہُوا ہو۔ اور ہنوز اس کی حکومت ہی قائم نہ ہوئی ہو تو اس کا مقابلہ خروج اور بغاوت نہ کہلائے گا۔

دفع تسلط اور رفع تسلط میں بڑا فرق ہے۔ قائم شدہ تسلط کا رفع یعنی اور اس کا ازالہ خروج اور بغاوت ہے۔ اور کسی ظالم کے تسلط کو قائم نہ ہونے دینا اس کا نام منع تسلط ہے۔ حضرت امام حسینؓ کا خروج یزید پلید سے دفع اور منع تسلط کے لیے تھا نہ کہ رفع تسلط کے لیے۔

ماخوذ از فتاوی عزیزی صــ ج ۱ ۔

یزید پر لعنت[1] کا حکم

یزید کے بارہ میں تین گروہ ہیں۔ ایک گروہ اس کو محبوب رکھتا ہے حتیٰ کہ اس کو خلفاء راشدین کے زمرہ میں سے سمجھتا ہے اور ایک گروہ اُس پر لعنت کو جائز سمجھتا ہے۔ محققین اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ یزید اور حجاج بن یوسف جیسے ظالم پر لعنت درست نہیں۔ کیونکہ دلیل سے یزید کا کفر ثابت نہیں اور ظالموں اور فاسقوں پر نام لے کر زندگی میں بھی لعنت کرنا ممنوع ہے اور مرنے کے بعد بھی کسی کا نام لے کر لعنت کرنا ممنوع ہے الا یہ کہ جس کا کفر فرعون، ہامان اور ابو لہب کی طرح واضح ہو اور معلوم ہو۔ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ فرعون اور ہامان بلکہ شیطان پر بھی لعنت کرنا واجب نہیں۔ بہت سے بہت جائز کے درجہ میں ہے۔ لیکن اگر بجائے اسکے کہ شیطان پر لعنت بھیجے اتنا ہی وقت اگر اللہ کے ذکر میں صرف کرے تو وہ بہتر ہے اور حدیث میں ہے کہ نبی کریمؐ نے نماز پڑھنے والوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے اور جو لوگ اہل قبلہ ہیں اُن پر لعنت منع ہے۔ حق جل شانہ کا ارشاد ہے:۔

---

[1] دیکھیے اتحاف۔ الاقتصاد فی الاعتقاد للغزالی مرقاۃ ص ج ۔ شرح شفاء للقاری ص ۵۵۸ ج ۲

اعلام بفوائد مسند مطبوع علی حاشیۃ الزواجر ص ۱۵۱۔

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللّٰہ فیسبوا اللّٰہ عدواً بغیر علم۔[1]

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم ہر اُس شخص سے بری اور بیزار ہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول کا اور رسول اللہ کے اہلبیت کا اور آپ کے صحابہ کا دشمن ہو بلکہ جو شخص کسی ادنے مسلمان کا محض مسلمان ہونیکی درجہ سے اسکا دشمن ہو ہم اس سے بھی بری اور بیزار ہیں مگر اپنی زبان کو کافروں، ظالموں اور فاسقوں پر لعنت کرنیسے محفوظ رکھتے ہیں خاصکر وہ لوگ جو اس دُنیا سے گزر گئے وہ اپنے اپنے ٹھکانہ پر پہنچ گئے۔

اہلسنت جسطرح حضرت عمرؓ کے قاتل ابو لولوہ اور حضرت عثمانؓ کے قاتلین پر لعنت درست نہیں سمجھتے۔ جسطرح ہم اہلسنت حضرات صحابہ کرام کے غلام ہیں۔ اسی طرح ہم حضرات اہلبیت کے بھی غلام ہیں اور جسطرح ہم صحابہ کرام کے دشمنوں سے بری اور بیزار ہیں اسی طرح اہلبیت کے دشمنوں سے بھی بری اور بیزار ہیں۔ مگر اپنی زبانوں کو ظالموں کے لعن وطعن اور سب وشتم سے محفوظ رکھتے ہیں اور اسی کو امام غزالیؒ نے احیاء العلوم

---

[1] قال الحافظ شرف الدین قاسم بن قطلوبغا الحنفی فی شرحہ علی بدء الامالی بعد نقل الاقوال فیہ واما نحن فبریئون من اعداء اللّٰہ ورسولہ واھل بیتہ وممن عادی فرداً من افراد عوام المسلمین لکونہ مسلماً اولکونہ ینسب الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولو بادنیٰ نسبۃ اھ واللّٰہ الموفق کذا فی الاتحاف شرح الاحیاء للعلامۃ الزبیدی ص ۲۸۷ ج ۷ فی بیان الآفۃ الثامنۃ من آفات اللسان وھی اللعن

میں اختیار فرمایا۔ حضرات اہل علم احیاء العلوم اور شرح احیاء العلوم باب آفات اللسان کی مراجعت کریں۔ نیز منہاج السنۃ مصنفہ حافظ ابن تیمیہ کے ص ۲۵۵ ج ۲ - و ص ۲۵۱ ج ۲ کی مراجعت کریں اور حافظ شمس الدین ذہبی کی کتاب المنتقی (جو منہاج السنۃ کی تلخیص ہے) ص ۲۸۹ تا ص ۲۹۲ مراجعت کریں اور شرح شرح عقائد نسفی ص ۱۱۵ کو دیکھیں اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ للعلامۃ القاری ص ۳۶ ج ۲ کو دیکھیں اور الاقتصاد فی الاعتقاد للامام الغزالی رحمۃ اللہ علیہ ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واھل بیتہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف الرحیم آمین۔ یارب العلمین ویااکرم الاکرمین ویاارحم الراحمین یااجود الاجودین اللھم یارب بجاہ نبیک المصطفیٰ ورسولک المرتضیٰ طھر قلوبنا من کل وصف یباعدنا عن مشاھدتک ومحبتک وامتنا علی السنۃ والجماعۃ والشوق الی لقائک یاذا الجلال والاکرام وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم تسلیما والحمد للہ رب العالمین ۔

طبع فی
المطبعۃ العربیۃ
۳۰۔ لیک روڈ۔ بالمقابل منشی چیمبر پرانی انارکلی۔ لاہور (پاکستان)

آپکی لائبریری کے لیے چند اہم کتابیں
ظہور اسلام
مولانا وحید الدین خان
صراط مستقیم
مولانا وحید الدین خان
الاسلام
مولانا وحید الدین خان
تذکیر القرآن جلد اول
مولانا وحید الدین خان
جلد اوّل
علوم القرآن
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رح
پیغمبر انقلاب
مولانا وحید الدین خان
(انعام یافتہ)
سرمایہ دارانہ و اشتراکی نظام
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رح
تعبیر کی غلطی
مولانا وحید الدین خان
مقامات حریری
حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح
مجموعہ مقالات
مولانا وحید الدین خان
در تین جلد — زیر طبع
خلافت راشدہ
حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح
تبلیغی تحریک
مولانا وحید الدین خان
اسلام اور عقلیات
حضرت تھانوی رح
دین کی سیاسی تعبیر
مولانا وحید الدین خان
مقالات حکمت
حضرت تھانوی رح
سوشلزم اور اسلام
مولانا وحید الدین خان
معاشرتی مسائل
دین فطرت کی روشنی میں
مولانا برہان الدین سنبھلی
معدن الحقائق
مولانا محمد حنیف گنگوہی فاضل دیوبند
سراج العقائد
مولانا ممتاز الدین دیوبند
الضیاء النوری
مولانا محمد حنیف گنگوہی فاضل دیوبند
حقیقت انسانیت
(زیر طبع)
مولانا صوفی محمد دین اشرفی
غایۃ السعایۃ
مولانا محمد حنیف گنگوہی فاضل دیوبند
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
(زیر طبع)
مورخ اسلام محمد یامین قریشی سہارنپوری
اسلامی زندگی
مولانا وحید الدین خان
اسلام اور عصر حاضر
مولانا وحید الدین خان
مکتبۃ الاشرفیہ جامعہ اشرفیہ ○ فیروز پور روڈ ○ لاہور